داڑھی کی شرعی حیثیت

از

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قدس اللہ سرہ

پانچ اقساط پر مشتمل مقالہ

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

اگست تا دسمبر 1955ء

قسط نمبر ۱:-

داڑھی کی شرعی حیثیت

(حضرت محترم مولٰنا محمد طیب صاحب مدظلہ)

جناب صوفی عبدالرب صاحب ایم' اے نے حضرت المخدوم مہتمم صاحب مدظلہ' سے اپنی ایک ضرورت کا حوالہ دے کر فرمائش کی تھی کہ داڑھی کی شرعی حیثیت اور لحیہ بقدر قبضہ کے واجب ہونے پر ایک مضمون تحریر فرمایا جائے' حضرت موصوف نے اسے احکام اسلامی کی تبلیغ کا ایک مناسب موقعہ خیال فرما کر ایک کافی طویل مضمون اس موضوع پر قلمبند فرمایا جو ہماری خوش قسمتی سے رسالہ میں اشاعت کے لئے ہمیں حاصل ہوگیا۔ مضمون کے شروع میں صوفی صاحب کا خط بھی شائع کیا جارہا ہے تاکہ مضمون کا پورا پس منظر بھی قارئین کے سامنے آجائے ۔ (قیصر)

صوفی عبدالرّب صاحب کا خط

حضرت اقدس مخدوم و مطاع دامت برکاتکم و عمت فیوضکم و مدت ظلکم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ انشاء اللہ اب حضرت اقدس بخیر و عافیت دیوبند واپس پہنچ چکے ہوں گے، خدا کرے حضرت اقدس کا مزاج مبارک مع العافیت ہو، انشاء اللہ حضرت اقدس کو ضرور یاد ہوگا کہ بمبئی میں مسافرخانہ صابو صدیق میں حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوکر ناچیز نے وہ واقعہ بیان کیا تھا جو ناچیز کو .... صاحب کے ساتھ بسلسلۂ تبلیغ لحیہ پیش آیا تھا اور حضرت والا سے ناچیز نے عریضہ پیش خدمت کرنے کی اجازت لی تھی۔

اُس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ موصوف کو لحیہ بقدر قبضہ کے مستحسن ہونے کا اعتراف ہے لیکن قصر و حلق دونوں میں سے کسی کو وہ معصیت نہیں سمجھتے۔ ناچیز سے جو گفتگو انہوں نے فرمائی اس میں انہوں نے یہ مطالبہ فرمایا تھا کہ حلق و قصر کے معصیت ہونے کے نیز لحیہ بقدر قبضہ کے سنت موکدہ ہے یا واجب ہونے کے دلائل یہ ناچیز ان کی خدمت میں ارسال کرے

یہ ناچیز حضرت کی خدمت میں استدعا کرتا ہے کہ حضرت اقدس کچھ اس طرح مرتب اور دلنشین' بالاجمال یا بالتفصیل دلائل ارقام فرمادیں کہ صاحب موصوف کی تشفی ہوسکے۔ میں حضرت والا کے تحریر فرمودہ دلائل موصوف کو لکھ بھیجوں گا اور اُن سے جواب محبت کا مطالبہ کروں گا' اور اُس سے حضرت اقدس کو بھی مطلع کروں گا۔ اگر ضرورت لاحق ہوئی تو حضرت اقدس کو خامہ فرسائی کی زحمت پھر دینے کی اجازت چاہتا ہوں ۔

(ناچیز:- عبدالرب عفی عنہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حضرت المخدوم المعظم زیدت معالیہم

سلام مسنون، نیاز مقرون۔ گرامی نامہ نے ممنون یاد آوری فرمایا، بمبئی کے مسافرانہ کی مسافرانہ ملاقات کا نقشہ تازہ ہوکر تصور کی حد تک شرف ملاقات کا ذریعہ ثابت ہوا۔ اور پھر اس کتابی خطاب سے نصف ملاقات کی عزت بھی ملی۔ اگر تصور و تصدیق کی ان دونوں ملاقاتوں کو آدھی آدھی سمجھ لیا جائے تو الحمد للہ پوری ملاقات کا شرف گھر بیٹھے مل گیا جو آں محترم کی اس توجہ فرمائی کا طفیل ہے جزاکم اللہ عنی خیر الجزا ارسال عریضہ میں قدرے تاخیر ہوئی، جس کی وجہ کثرت

مشاغل اور قلتِ فرصت ہے، اِس قسم کے والا ناموں کے جواب کا وقت دن میں نہیں ملتا، یا اوّل شب میں لکھتا ہوں یا آخر شب میں، اسلئے تھوڑا تھوڑا لکھ کر اِس عریضہ سے کئی دن میں فارغ ہوا۔ زحمتِ انتظار کی جو کلفت اُٹھانی پڑی ہوگی اُس کی معافی چاہتا ہوں۔ جو خیالات پریشان پیش کر رہا ہوں، اُن کی پیش کشی سے شرم بھی آتی ہے بے استعدادی کی باتیں کیا پیش کردں، مگر الامر فوق الادب، کا مشہور مقولہ وجہ جرأت بنا ہوا ہے، اِس لئے بامید عفو و مسامحۃ ذہن نارسا کی نارسائی پیش کئے دیتا ہوں:۔

داڑھی کے مسئلہ میں سوالات کے دو نمبر نقل فرمائے گئے ہیں:۔

(۱) داڑھی منڈانے یا کترانے کے معصیت ہونے کی کیا دلیل ہے؟

(۲) داڑھی کی مقدار بقدر قبضہ (یک مُشت) کے واجب یا سنت موکدہ ہونے کی کیا دلیل ہے؟

اصل جواب سے پیشتر اتنی گذارش محل مقصود نہیں بلکہ معین مقصود ہوگی کہ جمال پسندی یا ظاہر آرائی طبعی ہونے کے ساتھ ساتھ شرعی بھی ہے یعنی جیسے ظاہری شائستگی و تہذیب اور بدن کو تجمل کے ساتھ رکھنا اور دیکھنا انسان کا طبعی جذبہ ہے جس سے دنیا کی کوئی قوم اور کسی قوم کا طبقہ شہری ہو یا دیہاتی، نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر، مستثنیٰ نہیں۔

ایسے ہی شریعتِ اسلام نے بھی اِس جذبہ کو پامال نہیں کیا بلکہ باقی رکھتے ہوئے حسن ظاہری اور جمال ہئیت کو پسند کیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ طبیعی قسم کے انسان اس جمال کے حُسن و قبح کا معیار اپنی طبعی خواہش یا زیادہ سے زیادہ رواج اور قومی روایات کو سمجھتے ہیں اور منہاج انبیاء پر چلنے والے اس کی خوبی وخرابی کا معیار اسوۂ انبیاء کو جانتے ہیں، اُن کے نزدیک اِس جمال کے حسن و قبح کی کسوٹی ہوا نہیں، بلکہ ہُدیٰ ہے، جس کا دوسرا نام سنت انبیاء ہے، وجہ اُسکی یہ ہے کہ ہر ہئیت کے لئے ایک حقیقت ہے جس سے ہئیت کا ظہور ہوتا ہے اور ظہور کے بعد ہی ہئیت پھر اُس حقیقت پر اثر انداز ہوتی ہے جس سے یہ حقیقت باطن انسان میں جم کر جڑیں چھوڑ دیتی ہے، اور ایک ملکۂ راسخہ بن جاتی ہے جس سے پھر یہ ظاہری ہئیت کے افعال بآسانی سرزد ہونے لگتے ہیں اور آدمی کا ظاہری جمال خود بخود ہی مطلوبہ شائستگی کی راہ ہو لیتا ہے، اِس لئے شرعاً جمال کی وہی ہئیتیں پسند کی گئی ہیں، جو اچھی ہی حقیقتوں سے نکلی ہوئی ہوں اور پھر اچھی ہی حقیقتوں کو دل میں راسخ اور پائیدار بنائیں، اور اِس سے غالباً کسی کو بھی انکار نہ ہوگا کہ یہ اچھی حقیقتیں کمال حسن و خوبی کے ساتھ اگر کسی طبقہ میں ساری کی ساری جمع ہیں تو وہ طبقہ انبیاء علیہم السلام کا ہے جو بلا واسطہ اوس حقیقۃ الحقائق سے مستفید ہوا ہے، جو ساری خوبیوں، اور اچھی حقیقتوں کا سرچشمہ اور ہر عیب و نقص سے بری و منزہ ہے یعنی ذات بابرکات حق جل مجدہٗ۔ اِس لئے قدرتاً اسی مقدس طبقہ کی فطرت، جمال ظاہر و باطن کا معیار قرار دی جاسکتی ہے، پس جو ظاہر اس طبقہ کے ظاہر کے مطابق ہو وہی حُسن ہے ورنہ قبیح۔

اندریں صورت اگر انبیاء علیہم السلام کسی چیز کا استحسان ظاہر فرمائیں تو دانش کا تقاضا یہ ہے کہ اُسے قبول کیا جائے اور اگر کسی چیز کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھکر خود اپنا اُسوہ بنالیں تو منہاج نبوت کے عقیدتمندوں کا خوشگوار وظیفہ یہی ہونا چاہئے کہ وہ بھی اُسے دستور العمل بنالیں، اور اگر یہ مقدس طبقہ کسی چیز کے بارے میں ترغیبی کلمات بھی استعمال فرمائے یعنی دوسروں کے حق میں بھی اُسے پسند کرے تب وہ حرزِ جاں بنالینے کے قابل ہے، اور اگر اس سے آگے ہو کر کسی چیز کو وہ اپنی اُمت کے حق میں ضروری قرار دے پھر تو اُس کے لئے تو سراپا تعمیل اور اس کے خلاف سے سراپا گریز بنجانا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ کسی چیز کی مشروعیت یا خدائی دستور کا جزو ہونے کی یہی صورتیں ہوسکتی ہیں کہ یا وہ بذاتہ مستحسن کہی جائے یا اُسوۂ پیغمبر ہو

یا اُس کے بارے میں ترغیبی عنوان اختیار کیا گیا ہو، اور یا اُس کا امر ونہی کیا گیا ہو۔ اب اگر کسی چیز میں یہ چاروں طریقے اختیار کئے گئے ہوں کہ وہ خود بھی اچھی بتائی گئی ہو، اُسوۂ پیغمبر بھی ہو، اُس کی ترغیب بھی دی گئی ہو، اور اُس کا امر بھی کیا گیا ہو تو اس سے زیادہ اُس کے شرعی ہونے، اور اُس کے خلاف کے غیر شرعی ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

داڑھی کے مسئلہ میں حسنِ اتفاق سے یہ چاروں وجوہ مشروعیت جمع ہیں۔

فطرت

(۱) حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث میں جسے صحیح مسلم نے روایت کیا ہے، دس باتوں کو فطرت کہا گیا ہے:۔

(۱) مونچھیں پست کرنا، (۲) داڑھی بڑھانا، (۳) مسواک سے دانت صاف کرنا (۴) ناک میں پانی ڈال کر غلاظت دور کرنا (۵) ناخن لینا (۶) انگلیوں کے جوڑوں کے اوپر کے حصہ کو صاف کرنا (۷) بغل کے بال لینا (۸) زیرِ ناف کے بال صاف کرنا، (۹) پانی سے استنجاء کرنا اور (۱۰) کلی کرنا۔ (دیکھو مسلم باب خصال الفطرۃ)

اِس حدیث میں داڑھی رکھنے کو فطرت کہا گیا ہے فطرۃ کے شرعی معنی اصلیت کے ہیں، پس فطری اُمور کے معنی اُمورِ اصلیہ کے ہوئے جو شے کی اصل اور بنیاد میں رچے ہوئے ہوں، دلیل کے زور سے یا کسی خارجی قوت کے ذریعہ پیچھے نہ لگادئے گئے ہوں۔ بلکہ بلا تعلیم و تلقین شے کے مزاج میں پیدائشی طور پر پڑے ہوئے ہوں، جیسے بھوک، پیاس، جنسی میلان وغیرہ انسان کے حق میں طبعی ہے استدلالی نہیں ہے کہ دلائل سے حاصل کیا جاتا ہو، کوئی بھی دلائل کی قوت سے بھوک پیاس نہیں لگاتا، وہ از خود ہی اندرونی تقاضا سے لگتی ہے بلکہ لگنے سے قبل یا بعد لاکھ دلیلیں بھی اُس کے خلاف قائم کی جائیں تب بھی وہ لگنے سے نہیں رُک سکتی، یہی وجہ ہے کہ بھوک، پیاس لگنے پر کسی سبب یا وجہ کی تلاش نہیں کی جاتی کہ یہ حادثہ کیوں پیش آگیا؟ کیوں کہ وہ اصل ہے اور اصل کے لئے سب سے بڑی دلیل طبعی داعیہ اور اندرونی جذبہ ہوتا ہے جو دلیل سے بالاتر چیز ہے۔ پس یہاں لِمَ اور کیفَ یعنی چون وچرا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اگر بھوک، پیاس بند ہو جائے تو ضرور سبب اور وجہ کی تلاش کرتے ہیں کہ یہ غیر طبعی بات کیوں پیش آئی؟ اور اس صورت میں اس بندش کو خلافِ اصل اور مرض سمجھ کر اُسے زائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ زائل ہو بھی سکتی ہے کیوں کہ اصل اور اصلیت کا حصہ نہیں، عوارض سے پیدا شدہ چیز ہوتی ہے، ان عوارض کے زائل ہونے سے طبیعت اصلیت پر آ کر اسے دفع بھی کر دیتی ہے، یہ نہیں ہوتا کہ ان عوارض کو وجوہ و دلائل سمجھ کر اس غیر اصلی چیز (بندش، بھوک، پیاس) کو جمایا جائے گویا مرض کو پالا اور بڑھایا جائے۔

ٹھیک اسی طرح داڑھی رکھنا بھی فطرت بتلایا گیا ہے گویا اوس کا ہونا تو اصلی ہے اور نہ ہونا خلافِ اصل ہے پس اُس کے رکھنے کا ارادہ اور وقوع اصلی ہے جو انسان کی جبلت میں پڑا ہوا ہے، کسی عارضی یا خارجی قوت سے اُسے بے وجہ بٹھا نہیں دیا گیا ہے، کہ وہ باہر کے دباؤ سے اُسے مان رہا ہے، اور وہ چوں کہ اصل اور بمنزلہ صحت کے ہے تو اُس کے لئے کسی خاص سبب یا تعلیم و تلقین یا دلیل کی حاجت نہیں صرف سلامتیِ طبیعت کافی ہے، البتہ ریش تراشی چوں کہ خلافِ اصل اور بمنزلہ مرض کے ہے اس لئے وہ ضرور کسی بیرونی عارضہ اور دباؤ سے ہی ہو سکتی ہے جس کے سبب اور محرک کی تلاش کی جائے گی، اور وہ بھی اِس لئے کہ اُوس سبب کا ازالہ کر کے اِس خلافِ اصل مرض کو زائل کیا جائے۔ نہ اِس لئے کہ ان غیر طبعی عوارض کو جنہوں نے ریش تراشی پر آمادہ کیا تھا اصل قرار دیکر ریش تراشی کو صحت سمجھ لیا جائے اور اُوسے پالا اور پوسا جائے۔ بہر حال داڑھی کے منکروں کے مقابلہ میں سب سے بڑی اور سب سے پہلی دلیل تو یہی ہے کہ اُوسے "فطرۃ" کہہ کر مستغنی عن الدلیل بتلایا گیا ہے جو سو دلیلوں سے

بڑھ کر دلیل ہے، گویا اُس کے ثبوت اور وقوع کے لئے دلیل کا مطالبہ ہی نہیں کیا جا سکتا کہ طبیعت کا اندرونی تقاضا ہی اُس کے لئے دلیل ہے جبکہ وہ صحت ہے مرض نہیں ہے دلیل کا مطالبہ اگر ہو سکتا ہے تو داڑھی کے منکروں سے ہو سکتا ہے جو ایک خلاف فطرت کام کر رہے ہیں مگر وہی آجتک داڑھی منڈانے یا ترشوانے کی کوئی معقول حجت بجز شوقینیٔ نفس یا کسی غلط رواج اور ماحول کی اندھی تقلید کے پیش نہیں کر سکے ہیں مگر اس دور کے عجائبات میں سے یہ بھی ایک اعجوبہ ہے کہ داڑھی نہ رکھنے والے داڑھی والوں سے دلیل کا مطالبہ کر رہے ہیں، حالانکہ یہ حق داڑھی والوں کا ہے کہ وہ مُنڈانے والوں سے حجت طلب کریں۔ بس آج کے لوگوں کا یہ کہنا کہ داڑھی رکھنے کی آخر دلیل کیا ہے جو علماء ہم سے داڑھی رکھنے کا مطالبہ فرماتے ہیں ایک مُہمل اور لایعنی سوال ہے۔ معقول سوال یہ ہے کہ آخر داڑھی نہ رکھنے کی کیا دلیل ہے؟ کیوں کہ سوال صحت کی وجہ کا نہیں ہوتا بلکہ مرض کی وجہ کا ہوتا ہے، طبیب کسی کے گھر کبھی اس لئے نہیں جاتا کہ اہلِ بیت کی تندرستی کی وجوہ دریافت کرتا پھرے کہ وہ اصل ہے اور اصل کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں اور وجودی چیز ہے، اور وجود اپنی دلیل خود ہے، وہ گھروں پر اس لئے جاتا ہے کہ مریض کے مرض کی وجوہ تلاش کرے کہ مرض عدمی چیز ہے اور عدم بغیر کسی محرک اور مرجح کے وجود پذیر نہیں ہوتا، تو اُسی کے وجوہ و اسباب دریافت کئے جاتے ہیں تاکہ اُن کا ازالہ کر کے عدم سے نجات دلائی جا سکے۔ درخت پر پھل آجائیں تو کوئی وجہ دریافت نہیں کرتا کہ کیوں لگے ہیں، لیکن نہ لگیں تو اس عارض کی وجہ ضرور تلاش کی جائے گی کہ اس کے ازالہ سے اس مرض کا ازالہ کیا جائے۔ پس علماء داڑھی رکھنے والوں کے گھر نہیں پہنچتے کہ اُن کے داڑھی رکھنے کی وجہ کیا ہے کیوں کہ داڑھی کا وجود کوئی عدمی چیز کا مرض نہیں ہے کہ اُس کے اسباب کے ازالہ سے اس مرض کا ازالہ کیا جائے، البتہ وہ داڑھی مُنڈانے والوں سے ضرور پوچھیں گے کہ آخر اس بیماری کی وجہ کیا ہے کہ اُسے دفع کر کے اس روگ کو مٹایا جائے۔ اب اگر اُلٹے بیمار ہی طبیب سے جو اصول طب پر چلتے رہنے سے تندرست بھی ہے اُس کی تندرستی کی وجوہ پوچھنے لگیں اور اُسے نصیحت کریں کہ وہ اس تندرستی کو جلد سے جلد زائل کر دے تو کیا عقل کا اوندھا پن یہی نہ ہو گا؟ اور کیا اس پر یہ مثل صادق نہ آئے گی کہ "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔

یہ وجہ پرسی تو طبیب کا کام تھا، جس پر پرسش تواشی کے مریض کو وجہ مرض صاف صاف کہدینی چاہئے تھی تاکہ اس کے مرض کا علاج کیا جاتا۔ غرض داڑھی کے لئے وجہ اور دلیل کی ضرورت نہیں، داڑھی صاف کرانے کے لئے وجہ اور دلیل کی ضرورت ہے جو مفقود ہے۔ پھر فطرت کے معنی جبکہ اصل کے ہوئے اور اس معنی کے لحاظ سے داڑھی انسان کے امور اصلیہ میں سے ہوئی جس کا داعیہ اُس کی اصل طبیعت میں رچا ہوا ہے تو یہی اس کی بھی دلیل ہے کہ داڑھی رکھنے کا مسئلہ کوئی طبقاتی مسئلہ نہیں بلکہ ساری نوعِ بشر کا مسئلہ ہے کیوں کہ فطری بات کسی ایک کی نہیں تمام انسانوں کی مشترک خواہش ہوتی ہے چنانچہ دُنیا کی تمام اقوام میں خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتی ہوں، داڑھی رکھنے کا عام رواج چلا آرہا ہے، گو اُن میں ایسے طبقات بھی ہیں جو داڑھی نہیں رکھتے اور داڑھی رکھنے والوں پر ملامت بھی کرتے ہیں، مگر اُن کے وجود سے قوم کی اس عمومی خواہش کی عمومیت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیوں کہ داڑھی نہ رکھنے والے اک آئی ہوئی چیز کو زائل کرتے ہیں جن سے مواخذہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ لیکن رکھنے والے آئی ہوئی کو برقرار رکھتے ہیں اِس لئے اُن پر یہ مطالبہ عائد ہی نہیں ہوتا کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کیوں کہ داڑھی اُن کے لائے آ نہیں رہی ہے اور اون کے بڑھائے بڑھ نہیں رہی ہو کہ اُس کے آنے اور بڑھنے کا سوال اُن سے کیا جائے؟ اور وہ اُن کا فعل ہی نہیں کہ انہیں اوس کا ذمّہ دار یا مسئول ٹھیرایا جائے وہ تو ایک خُدائی صنعت اور کاریگری ہے جو اُن کے ارادہ و اختیار اور کسب و فعل کے بغیر اندر سے اوبھرتی چلی آتی ہے تو اُن پر اُسکی

ذمہ داری کب ہے، کہ اُن سے اُس کے آنے اور بڑھنے کو پوچھا جائے ؟ اُن کا کام تو صرف اتنا ہے کہ اس خدائی فعل کا بلا اذن خداوندی اپنے کسی منافی فعل سے معارضہ نہ کریں۔ البتہ ریش تراشوں پر سوال و مواخذہ سب کچھ عائد ہو سکتا ہے، کہ یہ ریش تراشی خود اُن کا فعل ہے اور وہ ہی بمقابلۂ فعل حق اس لئے وہی اس کے ذمہ دار اور جوابدہ ہیں اور اُن ہی سے اس بے جا حرکت کی وجہ پوچھی جائے گی کہ انہوں نے ایک اُگے اُگائے چمن کو بلا اذن مالک کیوں اُجاڑا ؟ اِس لئے وہ مستحق ملامت ہوں گے نہ کہ محافظانِ چمن ! اِس سے واضح ہے کہ داڑھی رکھنے والے داڑھی رکھ کر مثبت پہلو پر قائم ہیں جو وجودی ہے اور نہ رکھنے والے اُسے مٹا کر منفی پہلو پر ہیں جو عدمی ہے اور ظاہر ہے کہ کسی قوم کی زندگی اور اُس کا حقیقی وجود مثبت افعال ہی سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ منفی پہلوؤں سے کھانے پینے کے افعال سے قوم کا وجود باور ہو گا، جو وجودی افعال ہیں نہ کہ کھانے پینے سے معطل ہو کر پڑ جانے سے 'جو عدمی پہلو ہے' چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے ہی سے ایک قوم کی زندگی اور موجودگی پر استدلال کیا جائے گا نہ کہ اپاہج بن کر معطل پڑے رہنے سے۔ غرض صحت مندانہ افعال سے قوم کی زندگی اور موجودگی پہچانی جاتی ہے نہ کہ مرضیلے اور جاثیمی جمود و تعطل سے۔ اِس لئے قوم درحقیقت کہا ہی جائیگا اُس حصہ کو جو صحت مند اور صحت مندانہ افعال پر قائم ہے، مرضیلا اور روگی حصہ حقیقتاً قوم ہی نہیں اُسے تبعاً پہلے حصہ کے ساتھ رُلا ملا کر گویا مجازاً قوم کہہ دیا جاتا ہے اور بالفاظ دیگر صرف اعداد و شمار میں شامل کر لیا جاتا ہے، اور جبکہ داڑھی رکھنا بھی کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے کی طرح وہی مثبت اور وجودی پہلو ہے جن سے قوموں کی زندگی پہچانی جاتی ہے۔ تو یوں سمجھنا چاہئے کہ ہر قوم میں حقیقتاً قوم کہلانے کا مستحق ہی وہ حصہ ہے جو داڑھی بحیثیت فطری اور مثبت پہلو پر قائم ہے۔ داڑھیوں کو نیست و نابود کر دینے طبقہ گویا ایک مرضیلا، اور روگی طبقہ ہے جو عدم نہیں ہے تو کالعدم ضرور ہے اسلئے یہ حصہ قوم کہلانے ہی کے قابل نہیں، قوم وہی حصہ کہلائے گا جو اِس شعار انسانیت کو مٹائے ہوئے نہیں ہے اِس لئے یہ کہنا بجائے خود صحیح ہو گا کہ داڑھی رکھنا دُنیا کی تمام اقوام کی مشترک خواہش ہے جبتک کہ وہ 'قوم' قوم ہے، روگی اور مرضیلی ہو کر رُو گشتہ، عدم نہیں ہو چکی ہے اِس لئے علماء و صلحاء کو یہ کہہ کر ہدفِ ملامت بنانا کہ یہ اُن کا اُٹھایا ہوا مسئلہ ہے گویا غیر فطری ہے یا اُن ہی کے ساتھ مخصوص ہے گویا طبقاتی ہے، حدیث کے لفظ فطرت کے ساتھ تمسخر کرنا ہے۔ ہاں اِس سے انکار نہیں کہ طبقاتی حیثیت سے عموماً داڑھی رکھنے والے ہر قوم میں وہی لوگ زیادہ ہوتے ہیں جن میں آثار صلاح و رشد پائے جاتے ہیں اور وقار و تمکین کے نشانات اُن پر ہویدا ہوتے ہیں جیسے علماءِ دین - و پیشوایانِ مذاہب، مقتدایان قوم اور باوقار سلاطین و عمائد بلکہ جو بھی صلاح و رشد اور دین و تقویٰ کی طرف مائل ہوتا ہے وہ انجام کار اپنا دینی روپ درست کرنے کے لئے داڑھی کی طرف بھی جھکتا ہے گویا داڑھی صلاح و رشد ہی کا دوسرا رُخ ہے، رشد باطن ہے اور یہ ظاہر ہے۔ سو اِس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ داڑھی وقار و تمکنت کی نشانی اور اندرونی تقدس یا صلاح و رشد کی علامت ہے مگر یہ نہیں نکلتا کہ وہ اس طبقہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کے دوسرے مکلف نہیں یا اس طبقہ نے خواہ مخواہ دوسروں کو تنگ کرنے کے لئے یہ مسئلہ اُٹھا رکھا ہے ؟ یہ ایک مستقل دعویٰ ہو گا جس پر آجتک کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی ہے بلکہ داڑھی نہ رکھنے والوں کا اُسکے رکھنے کی دلیلیں پوچھتے رہنا یا منڈانے کی کچھ مزعومہ مصلحتیں زبان پر لاتے رہنا خود اُن کے دلوں کے چور کی غمازی کرتا ہے کہ وہ وجوہ و مصالح کی آڑ لے کر وہ اپنے وقار کو تھامنے کی فکر میں ہیں جسے ریش تراشی سے زائل شدہ سمجھ رہے ہیں، اور جسے وہ خود بھی دلوں میں محسوس کرتے ہیں۔

بہر حال فطرت کے لفظ سے اولاً داڑھی رکھنے کا مسئلہ

(بقیہ بر صفحہ ۳۰)

(بقیہ ۱)

"داڑھی کی شرعی حیثیت"

بدیہی طور پر ثابت ہوا جو اس کے مستغنی عن الدلیل ہونے کی دلیل ہے، پھر اسی لفظ فطرت سے داڑھی کا تمام بنی نوع انسان کی مشترک خواہش ثابت ہو کر اس کا طبقاتی یا انفرادی ہونے کے بجائے پوری انسانیت کا مسئلہ ہونا واضح ہوا، جو اس کے ناقابل ملامت ہونے کی دلیل ہے، پھر اسی لفظ فطرت سے اس کا آثار صلاح و رشد میں سے ہونا بھی واضح ہوا جو اس کے مستحق ہونے کی علامت ہے۔ (باقی آئندہ)

دوسری قسط:-

داڑھی کی شرعی حیثیت

(حضرت مولانا محمد طیب صاحب)

سُنّت پھر اس حدیث فطرت میں جہاں دس چیزوں کو فطرت کہا گیا ہے وہیں ایک لفظ میں اونہیں سُنّۃ المرسلین بھی فرمایا گیا ہے کہ یہ دس چیزیں جن میں داڑھی بھی داخل ہے انبیاء علیہم السلام کی سنت میں سے ہیں، اور جبکہ انبیاء کی سنتوں ہی کے مجموعہ کا نام دین ہے تو داڑھی دین انبیاء کا جزو ثابت ہوئی، خواہ اس کا درجہ وجوب کا ہو یا سنت و مستحب کا۔ اور ظاہر ہے کہ انبیاء کی سنتیں عمل ہی کے لئے ہوتی ہیں نمائش یا بھرتی کے لئے نہیں رکھی جاتیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عمل کے لئے واجب و فرض ہونا شرط نہیں، ورنہ دین کی عادات و عبادات کے ہزاروں شعائر کی بنیادیں منہدم ہو جائیں گی، کیوں کہ دین کے ہر شعبہ میں فرائض و واجبات سے زیادہ تعداد سنتوں اور مستحبات ہی کی ہے تو اس کے یہ معنی نکلیں گے کہ دو تہائی دین معاذ اللہ فضول اور ناقابل عمل ہے۔ اس لئے سنتیں بہر حال لائق عمل ٹھیریں، نتیجہ یہ نکلا کہ داڑھی رکھنا ایک لائق عمل مسئلہ ہے بیکار اور فضول نہیں پھر جبکہ قواعد شرعیہ بلکہ نصوص جزئیہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سنتیں درحقیقت تکمیل فرائض کے وسائل ہیں اگر سنتیں باقی نہ رہیں تو ابتداءً فرائض میں نقص اور خلل آئے گا اور آخر کار فرائض ختم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:-

من تھاون بالآداب حُرم من السنۃ ومن تھاون بالسنۃ حُرم من الواجبات

"جس نے مستحبات میں سستی دکھلائی وہ سنتوں سے محروم ہو جائے گا اور جو سنتوں میں سست پڑا وہ — واجبات سے محروم ہوجائے گا"

اس سے واضح ہوا کہ سنتیں درحقیقت واجبات و فرائض کے متممات ہی نہیں بلکہ مقدمات بھی ہیں جن پر واجبات کی تحصیل موقوف ہے اس صورت میں سنت عملاً سنت نہیں رہتی بلکہ واجب ٹھیر جاتی ہے کہ واجب کا مقدمہ نکلتی ہے، گو نظری طور پر اُس کا درجہ واجب کا نہ ہو مگر معاملہ اُس کے ساتھ واجب ہی کا سا کیا جانا ضروری ہو جاتا ہے کہ اوس کے بغیر اصل واجبات برقرار نہیں رہ سکتے۔ اس سے داڑھی کا ضروری العمل ہونا واضح ہوتا ہے۔

پھر اسی سنت کے لفظ کو حدیث مذکور میں کسی ایک رسول، یا ایک ہی نبی کی طرف منسوب نہیں کیا گیا بلکہ سُنّت المرسلین (سارے رسولوں کی سنت) کہہ کر تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس سے داڑھی رکھنے کا مسئلہ اجماع انبیاء سے ثابت شدہ مسئلہ نکلتا ہے۔

پھر کسی ایک پیغمبر سے بھی داڑھی مُنڈانا یا پست کرنا ثابت نہیں، اور اس سنت کے عمل سے کوئی ایک نبی بھی مستثنیٰ نہیں ہے، اس لئے داڑھی رکھنے کا عمل تعامل انبیاء سے بھی ثابت شدہ ہو جاتا ہے جو اوس کے لازم العمل ہونے کی دلیل ہے۔

دوسرے لفظوں میں اسی اجماع کو سامنے رکھ کر یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ داڑھی کا طریقہ کسی ایک ہی دین اور شریعت کا مسئلہ نہیں بلکہ کل شرائع و مذاہب کا اجماعی طریقہ ہے۔ اور جبکہ دُنیا کی ہر قوم و ملت کسی نہ کسی مذہب ہی سے تشکیل یافتہ ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ تمام اقوام و ملل کا مسئلہ ہے جس پر قوموں کا اجماع ہے۔ پس جہاں لفظ فطرت سے طبعی رنگ میں یہ مسئلہ

اجماعِ اقوام و ملل کا اجماعی مسئلہ نکلتا تھا وہیں اس اجماعِ شرائع سے یہ مسئلہ شرعی رنگ میں بھی اُمتوں کا اجماعی مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے

پس اگر ایک اُمت کا اجماع کسی مسئلہ کے ثبوت کے لئے شرعی حجت ہو سکتا ہے تو تمام اولین و آخرین کا اجماع اور بلا استثناء سارے انبیاء و رسل اور سارے اولیاء و صلحاء کا اجماع آخر کس طرح حجت نہیں بنے گا؟

اندریں صورت اس مسئلہ کی ضرورت سے انکار کرنا گویا تمام شرائع اور تمام انبیاء کے ایک مشترک شرعی تقاضا کا انکار اور اون کی تکذیب ہے۔ سو اگر ایک اُمت کے اجماعی مسئلہ کا انکار فسق ہے تو اقوام عالم اور اولین و آخرین کے اس کھُلے اجماعی مسئلہ کا انکار فسق کے کس درجہ پر پہونچا ہوا ہوگا؟

بہر حال لفظ فطرت، لفظ سنت پھر لفظ مرسلین سے داڑھی رکھنے کی نظری ضرورت ہی نہیں بلکہ عملی ضرورت بھی ثابت ہو جاتی ہے جو اس مسئلہ کی مشروعیت کے لئے ایک واضح دلیل اور حجت ہے جس سے کسی حالت میں انکار جائز نہیں ہو سکتا۔

پھر نہ صرف ضرورت بلکہ غور کیا جائے تو اس سے داڑھی رکھنے کا وجوب بھی ثابت ہو جاتا ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت بلا ترک فرمائی ہے جو اصولاً وجوب کی علامت ہے، اگر مواظبت مع الترک ہو یعنی کبھی کبھی آپ نے اوس عمل کو ترک بھی فرما دیا ہو تو وہ عمل سنت کہلاتا ہے لیکن داڑھی رکھنا کسی ایک لمحہ کیلئے بھی حضورؐ نے ترک نہیں فرمایا' اس لئے اس مواظبت بلا ترک سے ہم داڑھی رکھنے کے وجوب پر بھی استدلال کر سکتے ہیں۔

امر صریح لیکن اگر وجوب کے لئے اصطلاحی اور صریحی دلیل ہی درکار ہے تو اوس کے لئے ایک نہیں متعدد شرعی اوامر احادیث میں وارد ہوئے ہیں جن میں خصوصی طور پر داڑھی رکھنے کا صریح حکم دیا گیا ہے۔ ذخیرۂ احادیث میں داڑھی بڑھانے کے لئے امر صریح کے پانچ صیغے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اِعفاء۔ اِیفاء۔ اِرخاء۔ اِرجاء۔ توفیر اور پانچوں کے معنی محض داڑھی رکھنے کے نہیں بلکہ داڑھی بڑھانے اور اُسے علی حالہ بڑھنے دینے کے ہیں، گویا جہاں تک قولی احادیث کا تعلق ہے اُن میں داڑھی بڑھنے کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی، بلکہ داڑھی کو علی حالہ چھوڑے رکھنے کا امر مطلق ہے، چنانچہ اِعفُوا۔ اَوفُوا۔ اَرخُوا۔ اَرجُوا اور وَفِّرُوا بلا قید کے علی الاطلاق مروی ہیں۔ اور ان پانچوں صیغوں کے معنی داڑھی چھوڑنے یعنی اُسے علی حالہ بڑھنے دینے کے ہیں جن میں کسی قسم کی کوئی قید اور شرط نہیں لگائی گئی۔

اور سب جانتے ہیں کہ امر کا مفاد وجوب ہے یعنی امر کا صیغہ حقیقتاً وضع ہی کیا گیا ہے وجوب اور ایجاب کے لئے اس ایجاب میں خفت یا ہلکا پن جیسے استحباب یا ندب کہتے ہیں صیغۂ امر سے نہیں نکلتا، بلکہ خارجی قرائن سے پیدا ہو سکتا ہے اگر یہ خارجی قرائن موجود نہوں تو امر اپنی حقیقت پر رہے گا، اور اُس کے معنی ایجاب و الزام کے ہوں گے کہ یہ کام تم کو کرنا ہی ہے تم پر واجب ہے، اور تم کسی حالت میں اس سے گریز کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ اِس لئے داڑھی رکھنا ان اوامر سے اصطلاحاً بھی واجب صریح نکلا جس سے کسی حالت میں بھی گریز و انحراف جائز نہ رہا' جو اس مسئلہ کے شرعی ہونے ہی کی نہیں، بلکہ واجب شرعی ہونے کی واضح دلیل ہے، اور جبکہ اس کے ساتھ عالم کے سارے پیغمبروں کا تعامل اور تسنن (اُسے سنت ٹھیرالینا) بھی ملا لیا جائے تو یہ واجب اور بھی زیادہ موکد ہو جاتا ہے جس سے گریز گویا سارے انبیاء کے اجماع سے گریز ہے۔

لفظ اَمر پھر یہی نہیں کہ داڑھی کے وجوب کے لئے صرف امر کے ہی صیغے وارد ہوئے ہوں بلکہ خود لفظ امر سے بھی اس فعل کو مامور بہ قرار دیا گیا ہے جس سے صیغۂ امر کو استحباب یا ندب پر محمول کر لینے کا احتمال بھی قطع ہو جاتا ہے کیوں کہ صیغۂ امر کی ہیئت کذائی جیسے اِعفُوا اللحیٰ (داڑھی بڑھاؤ)

سے جو حکم نکلتا تھا اُسے فنی طور پر حکم استحبابی کہہ کر ہلکا کر دینے کی تاویل کا احتمال رہتا تھا لیکن جبکہ اس صیغے کے ساتھ لفظ امر بھی ذکر کر دیا گیا تو صیغے کے وجوبی معنی بلا احتمال غیر متعین ہو گئے۔ اسے یوں سمجھئے جیسے ہم امر کریں کہ "پانی پلاؤ" یہ حکم صیغۂ امر کے ساتھ ہے اس میں احتمال ہے کہ مخاطب کام چوری یا سہل انگاری یا کسی فنی اصطلاح کی آڑ لے کر یہ حیلہ کر دے کہ یہ "پلاؤ" کا صیغہ محض ایک اخلاقی امر ہے جس کی تعمیل واجب نہیں، کر لی جائے تو آمر کی خوشنودی کا باعث ہوگی نہ کیجائے تو باعث ملال نہ ہوگی۔ لیکن اگر ہم اسی کے ساتھ یوں بھی کہیں کہ "ہم تمہیں پانی پلانے کا حکم دیتے ہیں" یعنی صیغۂ امر ہی نہیں لفظ امر بھی استعمال کریں تو اس کے بعد تعمیل کرنے نہ کرنے کی برابری کا احتمال باقی نہیں رہتا، بلکہ متعین ہو جاتا ہے، کہ پانی پلانا ہی ضروری ہے اور نہ پلانے کا اختیار کسی درجہ میں بھی مخاطب کو نہیں دیا گیا۔

ٹھیک اسی طرح داڑھی کے بارے میں جب اِعْفُوا اللُّحیٰ، وغیرہ کے صیغے سے امر کیا گیا کہ "داڑھی بڑھاؤ" تو اس میں غلط یا صحیح احتمال تھا کہ اس امر کو محض اخلاقی حکم سمجھ کر تعمیل کرنے، نہ کرنے میں اپنے کو مختار سمجھ لیا جائے۔ لیکن جبکہ اسی کے ساتھ داڑھی بڑھانے کا حکم لفظ امر کے ساتھ یوں بھی وارد ہوا کہ:-

عن عبد اللہ ابن عمر عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحیۃ۔

"ابن عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے مونچھیں پست کرنے اور داڑھیاں بڑھانے کا حکم دیا ہے"

تو اس کے معنی وہی ہوئے کہ "ہم تمہیں داڑھی بڑھانے کا حکم دیتے ہیں" ظاہر ہے کہ اس کے بعد "داڑھی بڑھاؤ" کے صیغہ میں جو احتمال استحباب یا تعمیل و عدم تعمیل میں مخاطب کے اختیار کا پیدا کیا جا سکتا تھا وہ کلیۃً قطع ہو گیا اور داڑھی بڑھانے کا امر غیر مشتبہ وجوب کے لئے متعین ہو گیا جس سے داڑھی کا بڑھانا ایک مضبوط قسم کا شرعی واجب ثابت ہو جاتا ہے۔

منفی پہلو

داڑھی بڑھانے کے لئے شرعی ثبوت کے جتنے مثبت پہلو ہو سکتے تھے وہ واضح ہو گئے جن کے ہوتے ہوئے داڑھی کے وجوب کے بارے میں شبہ کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لیکن پھر بھی یہ سوال ممکن تھا کہ ان احادیث سے داڑھی رکھنے کا ایجابی ثبوت تو ضرور ہو جاتا ہے مگر داڑھی پست کرانے کی ممانعت یا حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور جب تک کہ کسی شے کے منفی پہلو کو سامنے نہ لایا جائے اُس کا مثبت پہلو بھی مستحکم نہیں ہوتا سو اس سلسلہ میں اوّل تو ممانعت کے ثبوت کے لئے یہ اُصولی دلیل کافی ہے کہ الامر بالشئ یقتضی النھی عن ضدہ (کسی چیز کا امر کیا جانا اُس کی ضد کی ممانعت کو مقتضی ہوتا ہے) یعنی جب کسی شئے کے واجب ہونے کا حکم دیا جائے تو یہ خود ہی اُس کی ضد کے ممنوع ہونے کی واضح دلیل ہے ورنہ اگر شئے کے واجب اور ضروری العمل ہونے کے بعد اُوسکی ضد پر بھی عمل جائز ہو تو یہ صریح اجتماع ضدین ہے کہ ایک شئے واجب اور ضروری العمل بھی ہو، اور نہ بھی ہو جو صراحتاً محال ہے۔ اِس لئے جب اصل پر عمل واجب ہوگا تو اسکی ضد پر یقیناً ممنوع ہوگا۔ اِس اُصول پر ثابت یہ ہوا کہ جب داڑھی رکھنا بنص حدیث واجب ٹھیرا تو نہ رکھنا اسی حدیث سے حرام و ناجائز بھی ثابت ہوا۔ ورنہ اگر رکھنے کے وجوب کے ساتھ نہ رکھنے کا جواز بھی جمع کر دیا جائے تو وہ وجوب ہی باقی نہ رہے گا اور رہے گا تو اجتماع ضدین پیدا ہو جائے گا کہ ایک شئے واجب بھی ہو اور نہ بھی ہو جو بلاشبہ محال ہے۔

بہرحال اس تقریر سے داڑھی پست کرنے کی ممانعت اور حُرمت اسی حدیث سے ثابت ہو جاتی ہے جس سے داڑھی رکھنے کی ضرورت ثابت ہوئی تھی۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ داڑھی رکھنے کا وجوب تو دلیل مطابقی سے ثابت ہوتا ہے اور نہ رکھنے کی ممانعت دلیل التزامی سے جس سے نفس ثبوت کی

نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لیکن اگر اس اُصولی ثبوت پر قناعت نہ کرتے ہوئے داڑھی پست کرنے کے بارے میں صریح نص ہی درکار ہو جس میں داڑھی پست کرنے کو صراحتہً ممنوع و ناجائز قرار دیا گیا ہو تو شریعت میں یہ پہلو بھی تشنہ نہیں ہے، اور وہ یہ کہ جس طرح داڑھی رکھنے کے بارے میں اولاً اوسے سنتِ انبیاء بتلایا گیا تاکہ اس نسبت پاک ہی سے مخاطب کے دل میں اوسکی رغبت بیٹھ جائے اور پھر داڑھی رکھنے کا صریح حکم دیا گیا تاکہ انبیاء کے ساتھ مشابہت اور متابعت کی دولت میسر آجائے بالکل اسی طرح داڑھی پست کرنے کو خواہ منڈاکر ہو یا کترا کر سنت کفار فرمایا گیا تاکہ اولاً تو اس نسبت ہی سے مخاطب کے ذہن میں اس فعل کی نفرت بیٹھ جائے، اور پھر مخالفت کا صریح حکم دے دیا گیا تاکہ اس منڈانے اور پست کرانے کی صریح ممانعت بھی ہو جائے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:۔

خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ۔ (مسلم) "مشرکین کی مخالفت کرو مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔"

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:۔

جزوا الشوارب وارخوا اللحیٰ خالفوا المجوس (مسلم) "مونچھیں کترواؤ اور داڑھیاں لمبی کرو۔"

مشرکین داڑھی منڈاتے تھے، جیسا کہ آج بھی منڈاتے ہیں اور مجوس کترلتے تھے۔ دونوں کی مخالفت کا حکم دے کر واضح کیا گیا ہے کہ یہ دونوں سنتیں کفار کی ہیں۔ پھر اس سنت میں جبکہ اُن کی مخالفت کا حکم دیا گیا تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہوئے کہ نہ داڑھی منڈاؤ نہ کتراؤ جو صریح حکم ممانعت ہے، داڑھی پست کرنے سے اس منفی پہلو کے بعد مثبت حکم یہ دیا گیا کہ ان دونوں فرقوں کی مخالفت میں داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو جو اس مخالفت کفار کی مثبت شکل ہے پس اس حدیث سے عمومی طور پر نہیں بلکہ خصوصی طور پر صاف و صریح الفاظ میں داڑھی پست کرانے کی ممانعت بھی واضح ہو گئی جو مطلوب تھی۔ پس جیسا کہ داڑھی رکھنا فی نفسہ بھی مستحسن اور ضروری تھا کہ مرد کا وقار اور جمال ہے اور بوجہ تشبہ بالانبیاء بھی مستحسن تھا کہ سنت انبیاء تھا اسی طرح داڑھی نہ رکھنا فی نفسہ بھی ممنوع ثابت ہوا جیسا کہ روایات خمسہ کا مفاد تھا۔ اور بوجہ تشبہ بالکفار بھی ممنوع ثابت ہوا جیسا کہ ان دو روایتوں کا مفاد ہے۔

داڑھی منڈانا معصیت ہے

ظاہر ہے کہ جب حکم واجب کی تعمیل پر اجر و ثواب ملتا ہے تو اُس کی خلاف ورزی پر زجر و عقاب بھی ہونا ضروری ہے، اور داڑھی رکھنا جبکہ سنت انبیاء ہونیکی وجہ سے مامور بہ اور حکم واجب ہے تو اس اُصول پر اوس میں ثواب ملنا ضروری ہے کہ اطاعت امر پائی گئی اور اُس کی خلاف ورزی یعنی داڑھی پست کرانے پر جو سنت کفار و فجار ہے خواہ منڈاکر ہو جو مشرکین کا فعل ہے یا خشخشی کراکر ہو جو مجوس کا فعل ہے عقاب و عذاب ہونا بھی ضروری ہو کہ مخالفت حکم پائی گئی۔ ورنہ اگر داڑھی پست کرنے پر عذاب نہو تو داڑھی بڑھانے پر ثواب کے کوئی معنی ہی نہیں ہوتے، مگر داڑھی رکھنے پر ثواب ہونا ضروری ہے ورنہ امر کے وجوب کا مفاد اور مامور بہ کے بجالانے کا اثر ہی کالعدم ہو جائے، گویا شے کی خاصیت ہی باطل ہو جائے جو خود باطل ہے جبکہ شارع علیہ السلام کی جانب سے اس اثر اور خاصیت کو ثابت مانا گیا ہے جیسے مثلاً دنیا میں داڑھی کو وقار فرمانا اور آخرت میں پُل صراط پر داڑھیوں کے نور ہونے کی خبر دینا جن میں راہ نمائی کی خاصیت ہوگی وغیرہ۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ داڑھی پست کرانے پر عقاب و عذاب نہو، ورنہ ارتکاب ممنوع کا اثر اور ممنوعات شرعیہ میں پھنسنے کے فعل کی قدرتی خاصیت ہی باطل ہو جائے گی درحالیکہ شارع علیہ السلام نے اس خاصیت کو بھی کھولا اور ثابت مانا ہے جس کا عنوان تشبہ اور اُس کی خاصیت فھو منھم کا وبال ظاہر فرمایا ہے۔ یعنی داڑھی پست کرنے والا کفار کے ساتھ مشابہت پیدا کر کے اُنہی

میں سے ہو جائے گا، اور بالآخر اُن ہی کے انجام میں شریک بنجانے کا مستحق ٹھیر جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ دھمکی فساد و عذاب ہی سے ڈرانے کے لئے ہو سکتی ہے خواہ وہ دُنیا میں دیا جائے کہ تشبہ کی وجہ سے اوسے کفار ہی کا ایک فرد سمجھا جانے لگے، اور وہ مسلمانوں کی دعاء، معاملات کی شرکت اور آخر کار میراث نماز جنازہ اور مقابر مسلمین سے محروم ہو جائے یا آخرت میں دھر ڈالا جائے کہ فتنۂ قبر و حشر اور فتنۂ جہنم کی سزائیں بھگتائی جائیں، اسی وبال و نکال کو جامع لفظوں میں اس حدیث میں ذکر کر دیا گیا ہے:۔

" من تشبہ بقوم فھو منھم " — "جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی (جس سے وہ اُسی قوم کا فرد دکھائی دینے لگے)"

تو انجام کار وہ اُسی قوم میں سے ہو جائے گا (یعنی دنیا و آخرت میں جو معاملہ اوس قوم کے ساتھ ہو گا، اُسی نوعیت کا اِس کے ساتھ بھی ہو گا) اِسی مقصد کو حدیث ذیل میں دوسرے عنوان سے ظاہر کیا گیا ہے کہ:۔

" من کثّر سواد قوم فھو منھم " — "جس نے کسی قوم کی جماعتی حیثیت بڑھائی (یعنی اُن کی وضع قطع میں دل ملکر اور اُن میں شمار ہو کر اُنہی کی بھیڑ میں اضافہ کا سبب بن گیا)۔ تو وہ آخر کار اُنہی میں سے ہو جائے گا۔"

"اونہی میں سے" ہو جانے پر قرآن حکیم نے یوں روشنی ڈالی ہے کہ

" ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار " — "ظالموں کی طرف میلان اور جھکاؤ مت اختیار کرو (کہ اُن کے طور و طریق اور اُن کی سنتوں یا ہیئتوں کو اپنانے لگو) کہیں تمہیں آگ نہ چھو دے (یعنی مبتلائے عذاب نہ ہو جاؤ)"

اس سے داڑھی پست کرنے کا (جو سنت کفار اور ہیئت ظالمین ہے جیسا کہ پچھلی حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے) بُرا انجام واضح ہو جاتا ہے جسے بجز عذاب و عقاب کے اور کس لفظ سے تعبیر کیا جائے؟ اور ظاہر ہے کہ جب ماموربہ کا امتثال طاعت کہلائے گا جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے، تو منہی عنہ کا ارتکاب یقیناً معصیت کہلائیگا جس پر عذاب مرتب ہوتا ہے۔ ورنہ اگر اس کے باوجود یہ طاعت و معصیت نہوں تو ان پر سزا و جزاء کا مرتب ہونا ہی بے معنی ہو کر رہ جائے۔ پس داڑھی رکھنے کا امر اور اوس پر ثواب کا وعدہ اگر اوس کے طاعت ہونے کی دلیل ہے تو داڑھی پست کرنے کی ممانعت اور اُس پر وبالِ دُنیا و آخرت کی دھمکی بلاشبہ اُس کے معصیت ہونے کی کُھلی دلیل ہے۔

بلکہ جس طرح داڑھی رکھنے کا فعل علاوہ امتثال امر کے متشابہت انبیاء کی وجہ سے حقیقتاً دوہری نیکی اور دُوگنی طاعت ہے، اِسی طرح داڑھی پست کرنے کا فعل علاوہ خلاف ورزیٔ امر کے مشابہت کفار کی وجہ سے دوہری بدی اور ڈبل معصیت ثابت ہوتا ہے۔ پس داڑھی پست کرانے میں عصیان کے دو پہلو نکل آتے ایک اصل واجب کا ترک اور دوسرے تشبہ حرام کا ارتکاب اس لئے اگر داڑھی بڑھانے کے لئے اُس کی خلاف ورزی کے معصیت ہونے کا ثبوت بھی ضروری ہے تو وجوہ بالا اُس کے لئے کافی ہیں جن سے اوس کا دوگنا گناہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ بلکہ نظر کو ذرا اور پھیلایا جائے، تو اس فعل (داڑھی پست کرنے) میں جیسے مشابہت کفار کی راہ سے گناہ ہونے کی خاص ایک شان داخل ہوتی تھی اور اس لئے داخل ہوتی تھی کہ اس سے ایک مسلم کی اسلامی ہیئت کفار کی ہیئت میں مدغم ہو کر ختم ہو جاتی تھی جو خسارۂ دُنیا و آخرت ہے۔ اِسی طرح اس فعل میں ایک دوسری مشابہت کی راہ سے بھی معصیت ہونے کی شان داخل ہوتی ہے اور وہ مشابہت ہے عورتوں کے ساتھ، جس سے مرد کا چہرہ مُہرہ عورتوں کے چہرہ سے مشابہ ہو کر اُس کی مردانہ ہیئت کو عورت کی زنانہ ہیئت میں مدغم کر دیتا ہے جس سے مرد کا ظاہری مردانہ وجود ختم ہو جاتا ہے۔ پس اگر کفار کی ظاہری مشابہت "فھو منھم" (وہ بلحاظ آثار و نتائج اونہی کفار میں سے ہو گیا) کا

وبال مسلط کرتی تھی جو دنیا و آخرت دونوں کو عام ہے تو عورتوں کی یہ ظاہری مشابہت اُس پر "فھو منھن" (وہ بلحاظ آثار و خصوصیات اُن ہی عورتوں میں سے ہوگیا) کا وبال مسلط کردیگی جو دارین میں اون پر پڑے گا۔ بس اگر وہ تشبہ اس وجہ سے گناہ تھا کہ اُس سے دو گروہوں کا خصوصیاتی فرق مٹ کر حدود الٰہی کی تخریب ہوجاتی تھی تو یہ تشبہ بھی اس لئے گناہ ہوگا کہ اس سے دو صنفوں کا خصوصیاتی فرق مٹ کر حدود خداوندی کی تخریب ہوتی ہے۔ اِسی لئے شریعت نے اِس تشبہ کو خواہ مرد عورت سے کرے یا عورت مرد سے، لعنت قرار دیا ہے، کہ یہ خدا کی بنائی ہوئی حدود کو مٹانا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:۔

لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال۔

"اللہ نے لعنت بھیجی ہے عورتوں سے تشبہ کرنے والے مردوں پر اور مردوں سے تشبہ کرنے والی عورتوں پر۔"

اور اس کے بالمقابل ان حدود کو برقرار رکھنے والے مردوں، اور عورتوں کے اس فطری فعل کو منقبت باور کرایا گیا ہے یعنی ملائکہ علیہم السلام کی ایک لاتعداد جماعت کی تسبیح ہی حدیث نبوی میں یہ بتلائی گئی ہے کہ:۔

سبحان من زین الرجال باللحی وزین النساء بالقرون والذوائب۔

"پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھیوں سے زینت دی اور عورتوں کو مینڈھیوں اور چوٹیوں سے زینت بخشی۔"

* * *

ظاہر ہے کہ مردوں کی زینت داڑھیوں کو بگاڑنا اور عورتوں کی زینت مینڈھی چوٹی کو بگاڑنا، درحقیقت اس منشاء خداوندی کا ہمہ وقت اعلان ہے کہ مرد داڑھیوں کی مطلوبہ حفاظت کریں، اور عورتیں اپنی مینڈھی چوٹی برقرار رکھیں، عورتیں اگر چوٹیاں کٹوا ڈالیں گی، تو ایک چوٹی ہی نہیں اون کی ناک چوٹی دونوں کٹ جائیں گی، اور مرد اگر داڑھی پست کرانے لگیں گے تو اون کی مردانہ زینت ہی نہیں مردانہ وقار بھی ختم ہوجائے گا،

اِس حدیث سے جس میں داڑھی کو مرد کے لئے جمال بتلایا گیا ہے، فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کسی کی داڑھی زبردستی مونڈ دی جائے اور اُس کے دوبارہ اُگنے کی کوئی توقع نہ رہے جیسے کسی بال صفا پوڈر سے یا سونے کے اُسترے سے صاف کردی جائے، تو مونڈنے والے پر دیت لازم ہوگی، کیوں کہ اُس نے ایک شخص کا جمال ضائع کردیا اور ایک ایسی چیز کو ضائع کردیا جو قابل علیحدگی نہ تھی، جیسے کسی کا ہاتھ یا پیر کاٹ ڈالنے پر دیت آتی ہے کہ جمال بھی ضائع ہوتا ہے اور ایک ایسی چیز جُدا کیجاتی ہے جو جُدا کردینے کے لئے نہیں دی گئی تھی، ورنہ اگر داڑھی جمال نہ ہوتی یا قابل علیحدگی ہوتی تو اُس کے علیحدہ کردینے پر دیت آنے کے معنی نہ تھے۔

پھر تشبہ کی علت کی بناء پر جہاں داڑھیاں پست کرنا حرام ثابت ہوتا ہے وہیں اسی روایت سے داڑھی بڑھانا واجب بھی ثابت ہوجاتا ہے، کیوں کہ "النھی عن الشیئ یقتضی الوجوب بضدہ" (کسی شئی کی حرمت اُس کی ضد کے واجب ہونے کی دلیل ہے) وہاں احادیث خمسہ میں تو داڑھی بڑھانے کا وجوب دلالت مطابقی سے، اور داڑھی پست کرنے کی حرمت دلالت التزامی سے ثابت ہوتی تھی، اور یہاں اُس کے برعکس داڑھی پست کرانے کی حرمت دلالت مطابقی سے اور بڑھانے کا وجوب دلالت التزامی سے نکل رہا ہے۔ غرض احادیث اَمر اور احادیث نہی دونوں سے داڑھی کے بارے میں دونوں قسم کے مثبت اور منفی حکم ثابت ہوجاتے ہیں اور جیسے داڑھی بڑھانا ایک مستقل نص سے واجب ثابت ہوتا ہے وہیں داڑھی پست کرنا ایک مستقل نص سے حرام بھی ثابت ہوتا ہے، اِس لئے داڑھی کے بارے میں مثبت اور منفی حکم علیحدہ علیحدہ مستقل ثابت ہوگئے

(باقی آئندہ)

مقالات

تیسری قسط:-

داڑھی کی شرعی حیثیت

(حضرت مولٰنا محمد طیب صاحب مدظلہ)

پھر قطع نظر تشبہ کے یہ داڑھی پست کرانے کا فعل تغییر خلق اللہ اور خدا کے دئے ہوئے حُسن و جمال کی تخریب بھی ہے جس نے مردوں کو مردانہ حُسن اور عورتوں کو زنانہ حُسن دے کر بطور منت یہی فرمایا کہ:-

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ (القرآن الکریم)

"اس نے تمہیں (ہر ایک کے مناسب حال) صورت دی اور تمہاری صورتوں کو حسین تر بنایا۔"

اِس حسن و جمال میں بلا مرضیٔ موجد مداخلت اور اوس کو بگاڑنا ظاہر ہے کہ کوئی منقبت نہیں لعنت ہی ہو سکتا ہے، جسے شیطانی حرکت کہا جائے گا، چنانچہ عورتوں کی ایسی تغییر کا ذکر کرکے قرآن حکیم نے اسے شیطانی ولایت کی کارگزاری فرمایا ہے:-

ولآمرنهم فليغيرن خلق الله ومن يتخذ الشيطان وليا من دون الله فقد خسر خسرانا مبينا۔ (قران الحکیم)

"(شیطان نے کہا) اور میں ان کو (تیری مخلوق کو) حکم کروں گا پس وہ اللہ کی تخلیق میں تغیر کریں گے، اور جس نے اللہ کے علاوہ شیطان کو ولی بنالیا، وہ کھلے گھاٹے میں پڑ گیا!"

آخر وشم (بدن کو گودوانا) اور تفلج (دانتوں کو شو کے لئے رتوانا) وغیرہ حدیث نبویؐ میں جب محض اس لئے لعنت قرار دئے گئے کہ اون میں اللہ کی بناوٹ کی تخریب ہو جاتی ہے تو داڑھی اور چوٹی کے حُسنِ خداداد کو بلا اذنِ الٰہی مٹانا یا گھٹانا کیوں تغییر خلق اللہ میں شامل اور موجب لعنت نہو گا؟ یہ الگ بات ہے کہ تغییر خلق اللہ کہیں گھٹانے سے ہوتا ہے جیسے داڑھی اور چوٹی، اور کہیں بڑھانے سے ہوتا ہے جیسے بغل اور زیر ناف کے بال۔ پس جیسے گھٹانے کی چیز کو بڑھانا خلاف فطرت ہے ایسے ہی بڑھانے کی چیز کو گھٹانا خلاف فطرت ہے۔ حیرت ہے کہ لوگوں کے نزدیک ناخنوں، بغل اور زیرِ ناف کے بالوں کے بارے میں تو حدیث فطرت حُجت اور اوس کا شرعی حکم ناقابل اعتراض ہو، لیکن داڑھی کے بارے میں وہی حدیث اور اوس کا حکم نہ حجت ہو اور نہ ناقابل اعتراض ہو۔ "یک بام و دو ہوائے"۔ اِس کا صاف مطلب یہ ہے کہ چہرہ مہرہ کی جمال پسندی اور جمال آرائی کا معیار تو لوگوں نے اختیار کیا، مگر ہوائے نفس یا رواج یا ماحول سے مرعوبیت کو معیار ٹھیرالیا جسے ضرورت کے وقت کبھی شریعت کے سر ڈال دیا جاتا ہے اور کبھی بات نہ بننے کی صورت میں صاف یہ ہی کہہ دیا جاتا ہے کہ شریعت نے اِس کا کوئی معیار ہی مقرر نہیں کیا بلکہ اوسے ہمارے اختیارات تمیزی پر چھوڑ دیا ہے۔ اس کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ:-

واذا فعلوا فاحشة قالوا وجدنا عليها آباءنا والله امرنا بها قل ان الله لا يامر بالفحشاء اتقولون على الله ما لا تعلمون۔

"اور جب وہ کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمنے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا اور اللہ نے بھی ہمیں اس کا حکم دیا ہے، آپ فرما دیں...

بہرحال داڑھی پست کرانے میں جیسے تشبہ بالکفار سے معصیت کی شان آتی تھی ویسے بھی تشبہ بالنساء سے بھی آتی ہے اور اُس سے زیادہ تغییر خلق اللہ سے آتی ہے۔ پس جو چیز خلاف ورزی قانون، تشبہ بالکفار، تشبہ بالنساء اور تغییر خلق اللہ کی چار وجوہ سے معصیت ہو تو اوس کے معصیت ہونے میں کلام کرنے کی آخر گنجائش ہی کیا ہوسکتی ہے

خلاصہ یہ ہے کہ داڑھی رکھنے کی ضرورت شریعت نے مختلف عنوانوں سے ثابت کی۔ لفظ فطرت سے تو اس مسئلہ کا بدیہی ہونا بتلایا گیا جسکے لئے دلیل کا مطالبہ گویا کج بحثی کی علامت قرار دیا گیا۔ پھر اسی لفظ فطرت سے اوسے پوری انسانیت کا مسئلہ ہونا باور کرایا گیا۔ پھر اسی لفظ فطرت سے اوس کا آثار صلاح میں سے ہونا شمار کرایا گیا۔ جس سے داڑھی کے وجود کی تحسین نکلی۔ پھر لفظ سنت سے اُس کا مرغوب فیہ اور لائق عمل ہونا ظاہر کیا گیا۔ پھر سنت مرسلین کے لفظ سے اوس کا اجماعی مسئلہ ہونا واضح کیا گیا۔ جو تمام ملتوں اور شریعتوں میں یکساں مشروع رہا ہے۔ پھر صیغۂ امر سے داڑھی رکھنے اور بڑھانے کا وجوب ثابت کیا گیا۔ پھر لفظ امر سے اوس کے وجوب کا تاکّد اور غیر مشتبہ واجب ہونا بتلایا گیا۔ پھر منفی پہلو کو لے کر داڑھی منڈانے یا کترانے کی ممانعت ثابت کر کے اس کا معصیت اور گناہ ہونا بتلایا گیا۔ پھر اوسکی وجوہ معصیت پر روشنی ڈالی گئی کہ وہ ایک ہی وجہ سے نہیں مختلف وجوہ تشبہ بالکفار، تشبہ بالنساء، تشبہ بالمخنثین، اور تغییر خلق اللہ کی وجہ سے بچند وجوہ معصیت ہے۔

ظاہر ہے کہ جو مسئلہ اس درجہ ثابت اور مختلف الانواع دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہو کہ بدیہی بھی ہو نا قابل ملامت بھی ہو، لائق تحسین بھی ہو، قابل عمل بھی ہو، واجب بھی ہو، سارے پیغمبروں کی سنت بھی ہو، اور پھر ہر دور اور ہر قرن میں عامۂ صلحاء، علماء، ائمہ، صحابہ اور تابعین کا عملی شعار بھی رہا ہو تو کیا اوس کے ثبوت اور وجوب کے بارے میں شبہ کرنا دین سے اِنتہائی بے خبری اور بد ذوقی کی علامت نہ ہوگا؟ چہ جائیکہ اوس کا انکار دلوں میں ہو؟ تو اس صورت میں اسے سوائے زیغ قلب یا غلط ماحول کے تاثرات اور مرعوبانہ ذہنیت کے اور کس چیز پر محمول کیا جائے؟ بہرحال اِس سلسلہ میں جبکہ کتاب وسنت، اجماع اُمت، اجماع اُمم اور اجماع انبیاء ورُسل سے شواہد پیش کردئے گئے تو اوس کا مجمع علیہ طاعت اور اوس کی خلاف ورزی کا مجمع علیہ معصیت ہونا پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

رہا داڑھی کی مقدار خاص کا مسئلہ سو جیسے داڑھی بڑھانے کا مسئلہ لفظ فطرت سے بھی ثابت کیا گیا جو اُس کے طبعی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے اور لفظ سنت اور صیغۂ امر سے بھی ثابت کیا گیا جو اوس کے شرعی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے، ایسے ہی داڑھی کی ضروری مقدار بھی فطرت و سنت دونوں ہی سے ثابت شدہ ہے، جو اوس کے طبعی اور شرعی ہونے کی دلیل اور نوع انسانی کی مشترک خواہش ہونے کی واضح علامت ہے، کیوں کہ فطرت انسانی اپنے خلقی شعور کے سبب داڑھی میں حد سے گذری ہوئی کمی اور زیادتی کو جس کا نام افراط اور تفریط ہے برداشت نہیں کرتی بشرطیکہ یہ فطرت مریض یا مرعوب یا کم از کم مغلوب الحال نہ ہو چکی ہو۔ اس دائرہ کی افراط اور زیادتی تو یہ ہے کہ داڑھی کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ طول وعرض میں جدھر بھی خود رو گھاس کی طرح بڑھتی اور پھیلتی چلی جائے اُسے جانے دیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ صورت حال طبع سلیم کبھی گوارا نہیں کرسکتی کیوں کہ بقول امام طبریؒ (کما فی النووی) یہ داڑھی نہیں بلکہ ایک مضحکہ ہے، جو تمسخر کرنے والوں کے لئے دعوت تمسخر اور خود داڑھی والے کیلئے خاتمۂ جمال وموزونیت ثابت ہوگی، ادھر اس کے بالمقابل تفریط اور حد سے گذری ہوئی کمی یہ ہے کہ داڑھی کا سرے سے صفایا بول دیا جائے جس سے چہرہ مخنثوں اور عورتوں کا سا ہو کر رہجائے یا اتنی تھوڑی اور چھوٹی کردی جائے کہ وہ مونچھ کے جڑوں اور

ٹھوڑی کے کناروں سے لپٹ کر رہ جائے جو جمال ہیئت کا نقص اور ہیبت و وقار کا خلل ہے۔ غرض انسانی جمال پسندی کا شعور نہ داڑھی کا صفایا برداشت کرتا ہے نہ غیر محدود درازی۔

اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ داڑھی کے بارے میں طبع سلیم کوئی ایسی حدبندی ضرور چاہتی ہے جس کے تحت داڑھی نہ اتنی گھٹے کہ اوس پر بڑھی ہوئی داڑھی یا بالوں کے لٹکے ہوئے ہونے کا اطلاق نہ ہو سکے جو مامور بہ ہے اور نہ اتنی بڑھے کہ حد تمسخر و استہزاء میں آجائے جو جہل و حمق کی علامت ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ حدبندی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اوس کے طول و عرض میں قطع برید کر کے ایک ایسی حد پر اُسے ٹھیرایا جائے جس میں نہ غیر معمولی کمی ہو، نہ زیادتی۔ گویا یہ حد حدِ اعتدال ہو نہ حدِ افراط ہو نہ حد تفریط کہ افراط و تفریط درحقیقت حد ہی نہیں بلکہ زوالِ حد کا نام ہے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ داڑھی کا بڑھانا چوں کہ انسان کا فعل اختیاری نہیں صرف گھٹانا اختیاری ہے، اس لئے داڑھی کو معتدل رکھنے کے لئے جو حد بھی مقرر کی جائے گی وہ حدِ قطع ہو سکتی ہے نہ کہ حدِ بقاء۔ یعنی قطع و برید کی حد ہوگی کہ داڑھی تراشتے تراشتے اس حد پر آکر رُک جائیں کہ یہ اختیاری فعل ہے، حدِ بقاء نہ ہوگی کہ بڑھاتے بڑھاتے اس حد پر آکر رُکیں کیوں کہ بڑھانا اختیاری نہیں صرف قدرت کا کام ہے، یوں قدرتی طور پر اوسکے بڑھتے رہتے اور اس حد پر پہونچ جانے کا انتظار کرتے رہنا، انتظار کا فعل ہوگا بڑھانے کا فعل نہ ہوگا جس پر مذکورہ ثمرہ مرتب ہو، یہی وجہ ہے، کہ داڑھی اس مقدار تک پہونچنے سے پہلے پہلے خواہ کتنی ہی چھوٹی رہے اور اوسے اس حد تک پہونچتے پہونچتے خواہ کتنی بھی مدت لگے اُس پر کوئی گرفت اور مواخذہ نہیں۔ لیکن اگر اُسے گھٹا کر اتنی چھوٹی کر لی جائے جتنی ابتداء میں قدرتاً تھی خواہ قلیل مدت کے لئے کیوں نہ ہو، تو یہ قابل مواخذہ و سرزنش ہے، حالانکہ قلت کی مقدار دونوں صورتوں میں برابر ہے۔ فرق یہی ہے کہ پہلی صورت غیر اختیاری ہے اس لئے قابل گرفت نہیں، اور دوسری صورت اختیار سے پیدا کی جاتی ہے اس لئے قابل مواخذہ ہے۔ بعینہ اسی طرح اگر داڑھی نکلنے سے پیشتر چہرہ پچاس برس تک بھی صاف رہے تو کوئی مواخذہ نہیں، لیکن اگر داڑھی نکل آنے پر باختیار خود صاف کیا جائے تو قابل تعزیر و سرزنش ہے خواہ ایک ہی دن کی نیت سے ہو فرق وہی اختیار و بے اختیاری کا ہے۔ بس جیسے اصل داڑھی کو نکال لانا اختیار میں نہیں ایسے ہی اُس کا بڑھا دینا بھی اختیار میں نہیں۔ اس لئے داڑھی کی حدبندی کے لئے جو بھی حد مقرر ہوگی وہ اُسے بڑھا بڑھا کر یہاں تک لے آنے کی حد نہ ہوگی جسے حدِ بقاء کہا جائے کہ یہ فعل اختیاری نہیں، بلکہ تراش تراش کر اس حد تک رُک جانے کی حد ہوگی جسے حدِ قطع کہا جائے گا۔

اس کا ایک ثمرہ یہ نکلتا ہے کہ داڑھی اگر اس مقررہ حد سے بڑھ جائے تو اس کی تو گنجائش ہوگی کیوں کہ یہ فعل قدرتی ہے یعنی ایک چیز قدرت کے لائے آرہی ہے جسے کسی منافی فعل سے روکا نہیں گیا، یوں اصلاح ہیئت کے لئے اِدھر اُدھر کے بڑھے بال لے لئے جانے اس کے منافی نہیں۔ لیکن اگر اس حد سے کم ہو جائے تو اس کی گنجائش نہ ہوگی کیوں کہ یہاں تجاوز حدود اپنے اختیاری فعل سے کیا گیا ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جب یہ حد حدِ قطع ہوگی، کہ اس سے آگے داڑھی نہ کاٹی جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ داڑھی کے سلسلہ میں مقدار معین اگر ہو سکتی ہے، تو قابل بقاء حصہ کی ہو سکتی ہے نہ کہ قابل قطع حصہ کی۔ کیوں کہ قابل قطع و برید حصہ جو بڑھ رہا ہے وہ قدرتی فعل سے بڑھ رہا ہے، اُسے ہم کسی حد پر ٹھیرا ہی نہیں سکتے کہ حد بقاء مقرر کر دینے کی گنجائش ہو۔ لیکن جتنا حصہ کاٹنے کے بعد محفوظ رکھنا ہو وہ خود ہمارا فعل ہے، اس لئے ہمارے فعل کی حد تک اس

باقی ماندہ حصّہ کی مقدار بھی معین کی جاسکتی ہے جس کے ہم پابند ہوں۔ پس یہ حدبندی داڑھی کے قابلِ بقاء حصّہ کو محفوظ کر دینے کے لئے ہوگی، جس کی صورت زائد حصّہ کو تراش دینا ہے خواہ وہ کتنا ہی ہو، اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ قابلِ تحفظ حصہ کی مقدار معین ہو تاکہ اوس سے زائد حصّہ کو قطع کر دیا جائے، نہ یہ کہ قابلِ قطع حصّہ متعین ہو۔ کیونکہ یہ اُسی صورت میں ممکن ہوتا کہ قابلِ قطع حصّہ کی مقدار کو ہم خود معیّن اور محدود کر سکتے، حالانکہ یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں، اگر یہ ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو داڑھی کی قطع و بُرید کی بحث ہی ختم ہو جاتی ہم ابتداء ہی سے اوس کے بڑھنے پر پابندی لگا کر اوسے اسی مقررہ حد پر روک دیتے، نہ وہ آگے بڑھتی نہ اوسے تراشنے کی نوبت آتی۔ بہرحال اس سے صاف واضح ہوگیا کہ یہ حدبندی داڑھی کے قابلِ بقاء حصّہ کی مقدار کو معیّن کرنے کے لئے ہے تاکہ اوس سے زائد حصّہ کاٹ دیا جائے نہ کہ قابلِ قطع حصہ کی مقدار معین کرنے کے لئے ہے کہ اوس سے زائد کو باقی رکھا جائے کہ یہ اختیاری نہیں۔ یہیں سے ایک مسئلہ یہ بھی کھُلا کہ جب اس حدبندی کا حاصل یہ ہے کہ داڑھی کی ایک معینہ مقدار کو قائم رکھ کر زائد کو تراش دیا جائے، تو ظاہر ہے کہ ایسی حدبندی بغیر کسی معیار اور پیمانے کے ممکن نہیں جس کی رُو سے مقدار کی کمی بیشی متعین کی جائے تاکہ بیشی کو تراشا جائے اور کمی کو بڑھنے کا موقعہ دے کر اس مقررہ حد تک پہونچنے دیا جائے ورنہ اگر محض تخمین و اندازہ سے ایک ہاتھ میں قینچی لے کر داڑھی کے طول و عرض کو قلم کیا جاتا رہے جس کی نہ کوئی معینہ مقدار ہو، نہ پیمانہ، تو قطع و برید کے بعد باقی ماندہ حصّہ کبھی یکساں نہیں رہ سکتا کبھی بڑا رہے گا اور کبھی چھوٹا، کبھی گول ہوگا اور کبھی لمبوترا۔ کبھی حقیر نظر آئے گا اور کبھی صغیر و کبیر، اور ظاہر ہے کہ یہ چہرہ کا ایک تلون ہوگا جس سے اوس کا وقار اور قلوب میں اوس کی وقعت باقی نہ رہے گی، وقعت ہمیشہ پختگی وضع اور تمکین سے ہوتی ہے، روز روز کی تبدیلیٔ وضع چہرے کو ہدفِ اشارات بنا دے گی،

گویا دیکھنے والے ہر روز اس انتظار میں صبح کریں گے کہ دیکھیں آج فلاں صاحب کونسے چہرہ سے سامنے آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی کے عزو وقار پر ایک کاری ضرب اور زبردست زد ہے اس لئے داڑھی کے قابلِ تحفظ حصّہ کی مقدار کا متعین ہونا، جہاں ضروری نکلتا ہے وہیں اس تعین کے پیمانے اور معیار کا وجود بھی ضروری قرار پاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس پیمانہ کے لئے گز یا فٹ اور انچہ کو استعمال کرنا خود ایک مضحکہ ہوگا، اس لئے پیمانہ بھی مصنوعی ہونے کی بجائے قدرتی اور بے تکلف ہونا چاہیے جو ان مصنوعی آلات پیمائش سے بالاتر اور مستغنی ہو، سو ایسا پیمانہ جو ہمہ وقت اپنے پاس رہے جیسے داڑھی سوائے اپنے ہاتھ کے دوسرا نہیں ہوسکتا جس سے داڑھی کو گرفت میں لے کر دوسرے ہاتھ سے قطع برید کا عمل کیا جائے کہ یہ پیمانہ ہر وقت پاس بھی ہے اور اوس کا استعمال ہر وقت ممکن بھی ہے۔ اب اگر داڑھی کی گرفت کے لئے ہاتھ کی دو دو، تین تین انگلیاں استعمال کی جائیں تو ظاہر ہے کہ اون سے ساری ڈاڑھی بیک دم تو گرفت میں آ ہی نہیں سکتی، اِدھر اُدھر کا ایک ایک حصّہ ہی ان انگلیوں کی گرفت میں آسکیگا جن سے اوس حصّہ کو تھا کر زائد حصّہ کو تراشا جائے گا، تو ہر طرف کی گرفت بھی متفاوت ہوگی اور قطع و برید بھی الگ الگ جس سے داڑھی میں یکسانی کا قائم رہنا ناممکن ہے، اور جبکہ پوری داڑھی ہی کا روز روز چھوٹا بڑا ہونا وقار کے خلاف تھا، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے تو ایک ہی داڑھی کے مختلف حصّوں اور جہتوں کا چھوٹا بڑا ہونا تو اور بھی زیادہ مضحکہ انگیز ہوگا۔ اب اگر اس عدم یکسانی کا علاج آئینہ سے کیا جائے یا لوگوں کو سامنے بٹھا کر قطع و برید میں اون سے ہدایات حاصل کی جائیں اور اون کی تصویب و توثیق پر تراشنے کا مدار ہو تو یہ تکلف بھی ہے، دوسرے کی محتاجگی بھی ہے اور اپنے بارہ میں دوسروں کے یقین کی غیر ضروری تقلید بھی ہے بلکہ اپنے ساتھ ایک قسم کا تمسخر بھی ہے، اس لئے ہاتھ سے گرفت کی معقول صورت

یہی ہو سکتی ہے کہ پورے ہاتھ سے مٹھی بھر کر داڑھی گرفت میں لی جائے اور دوسرے ہاتھ سے بیرون گرفت حصّہ کو قطع کر دیا جائے۔ یہ ایک ایسا بے تکلف پیمانہ اور سہل ترین عمل ہے جو قدرتی بھی ہے اور غیر کی محتاجگی حتیٰ کہ آئینہ کی توثیق و تصدیق سے بھی مستغنی ہے۔

اب اگر اس گرفت شدہ حصّہ ہی کو جو پوری مٹھی میں آجائے داڑھی کا قابل بقاء حصّہ قرار دیا جائے تو یہ ایک ایسی معینہ مقدار ہوگی کہ نہ اس میں کمی زیادتی کا کوئی احتمال باقی رہیگا اور نہ عدم یکسانی اور تفاوت کا۔ نیز قطع برید کے باوجود داڑھی کی وہ صفت اعفاء و ارخاء جو شریعت نے متعین کی تھی کہ داڑھی بڑھی ہوئی ہو اور بال لٹکے ہوئے ہوں تاکہ اعفاء، ارخاء، ارجاء اور توفیر وغیرہ کے شرعی اوامر کا تقاضا پورا ہو کر کلیۃً محفوظ ہو جائے گی اور وہ اعتدال کہ نہ داڑھی کھال سے چپکی ہوئی ہو نہ لٹک کر بے ڈھنگی ہو بہت آسانی سے حاصل ہو سکے گا۔

البتہ سوال یہ رہتا ہے کہ ایک ہاتھ سے مٹھی میں داڑھی کس سمت سے تھامی جائے، اور کس سمت سے قطع کیجائے؟ آیا اوپر سے تھام کر نچلا حصّہ قطع کیا جائے یا نیچے سے تھام کر اوپر کا حصّہ تراشا جائے؟ سو ظاہر ہے کہ داڑھی کا سب سے اُوپر کا حصّہ وہ ہے جو جبڑوں اور تھوڑی پر اُگا ہوا اور اُس سے ملا ہوا ہے، اگر ہاتھ کی مٹھی سے اسے تھام کر تھوڑی سے نیچے نیچے کے سب بال کاٹ دئے جائیں تو اوّل تو وہ مٹھی میں آ ہی نہیں سکتا۔ مٹھی میں آنے کے معنی یہ ہیں کہ ہاتھ کی پانچوں اُنگلیاں داڑھی کو گرفت میں لے کر چہار طرف سے اُسکو گھیر لیں اور بند ہو جائیں، لیکن یہاں چہرے پر ہاتھ کی یہ اُنگلیاں صرف رخساروں پر پھیل کر رہجاتی ہیں، نہ تھوڑی کے غالب حصّے اور بالخصوص اُس کے نچلے حصّہ کو مس کرتی ہیں اور نہ اُوپر سے پڑی تک ہی پوری پہونچتی ہیں، حتیٰ کہ رخسارے بھی پورے کے پورے اُنگلیوں کے احاطہ میں نہیں آتے، پس سرے سے اُنگلیوں کی گرفت ہی نہیں ہوتی، چہ جائیکہ گرفت کے ساتھ ہر جہتی بندش اور مٹھی کے بند ہو جانے کی صورت پیدا ہو؟ بالفاظ دیگر وضع یَد (ہاتھ رکھ دینا) تو ہو جاتا ہے، مگر قبض یَد (ہاتھ سے قبضہ کرنا) نہیں ہوتا، اِس صورت میں اگر ان اُنگلیوں کے احاطہ سے باہر باہر کا حصّہ کاٹ دیا جائے تو تھوڑی سے نیچے کا تو پورا حصّہ ہی غائب ہو جائے گا۔ اور رخساروں کے اوپر کا حصّہ جو انگلیوں میں دبا ہوا ہے عدم یکسانی کے ساتھ کچھ ختم ہو جائے گا اور کچھ باقی رہجائے گا جس کا نقشہ اور بھی زیادہ بھدا اور مضحکہ انگیز ہو جائے گا۔ بلکہ قلب موضوع ہو جائے گا کہ یہ عمل کیا تو جا رہا تھا جمال ہیئت کو باقی رکھنے بلکہ دو بالا کرنے کے لئے اور نتیجہ نکلا زوال جمال اور بھونڈے پن کا۔ پس اس صورت میں نہ داڑھی کے باقی ماندہ حصّہ کی خوبصورتی ہی باقی رہتی ہے نہ یکسانی، اور اوپر سے وہ ارسال (بالوں کا لٹکنا) جو مقصود شریعت تھا جس کے لئے اعفاء لحیہ (داڑھی بڑھانے) کا امر کیا گیا تھا وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اور اگر کچھ رہتا بھی ہے تو صرف چوڑان میں تو رہجاتا ہے طول میں قطعاً نہیں رہتا، حالانکہ ارسال کا زیادہ تحقق تھوڑی سے نچلے ہی بالوں میں ہو سکتا تھا جن کے ارسال سے داڑھی بڑھی ہوئی اور دراز نظر آتی ہے۔ پس حسی موزونیت بھی باقی نہیں رہتی اور شرعی موزونیت بھی ختم ہو جاتی ہے، اِس لئے داڑھی کے سب سے اوپر کے حصّہ یعنی جبڑوں اور تھوڑی کی حد تک گرفت کرنے کی صورت طبعاً موزوں نہیں ہو سکتی + (باقی باقی)

چوتھی قسط:-

مقالات

داڑھی کی شرعی حیثیت

(حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ)

دوسری صورت یہ ہے کہ اسکے برعکس داڑھی کے سب سے نچلے حصّہ کو پوری مٹھی سے قبضا کر اوپر والے حصّہ کو کاٹ دیا جائے تو باقی ماندہ حصّہ کی کوئی مقدار معین نہیں ہوتی، کیوں کہ مٹھی سے ملے ہوئے اوپر کے حصّہ پر قینچی چلائی جائے تو ہو سکتا ہے کہ باقی ماندہ حصّہ یا پھر بھی اتنا دراز رہے کہ ناف تک آجائے جبکہ داڑھی بہت لمبی ہو، اور یہ وہی مضحکہ کی صورت ہے، یا مختصر ہو کر ٹھوڑی سے جا لگے جبکہ داڑھی چھوٹی ہو تو اس میں ارسال اور اعفاء باقی نہیں رہتا، یا کسی درمیانی درجہ میں ہے جس کی کوئی مقدار معین نہو، حالانکہ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حد بندی کی ہی اس لئے گئی تھی، کہ داڑھی کے قابل بقاء حصّہ کی مقدار معین رہے جو اختیاری ہے نہ کہ قابل قطع حصّہ کی مقدار کا تعین ہو جو اختیاری نہیں۔ پس پہلی صورت میں جبکہ داڑھی کا چہرے سے ملا ہوا حصّہ باقی رکھ کر ٹھوڑی سے نیچے کا حصّہ کاٹ دیا جائے تو چہرے کی حد تک داڑھی کی حد بندی تو ہو جاتی ہے مگر استرسال (بالوں کا لٹکا ہونا)، باقی نہیں رہتا جو شرعاً واجب تھا، اور دوسری صورت میں جبکہ نچلا حصّہ تھام کر اوپر سے قطع کیا جائے تو استرسال گو کسی حد تک ہشتیہ صورت میں باقی رہے مگر حد بندی کلیۃً ختم ہو جاتی ہے، اس لئے ایسی صورت جس میں حد بندی بھی یقینی ہو اور استرسال (داڑھی کا لٹکا ہونا) بھی قطعی ہو ایک ہی رہجاتی ہے، اور وہ یہ کہ داڑھی کے سب سے اوپر کے حصّہ کو بھی جو رخساروں اور ٹھوڑی سے لگا ہوا ہے اور سب سے نچلے حصّہ کو بھی جو اس کا آخری کنارہ ہے، چھوڑ کر درمیانی درجہ یہ اختیار کیا جائے کہ ٹھوڑی کے نچلے حصّہ سے ملا ہوا اور لٹکا ہوا داڑھی کا حصّہ مٹھی سے قبضا کر باقی ماندہ نچلا حصّہ قطع کر دیا جائے، تو اس میں حدِ اعتدال بھی قائم رہتی ہے قابل تحفظ حصّہ کی حد بھی متعین رہتی ہے، استرسال اور اعفاء بھی اپنی جگہ برقرار رہتا ہے اور یہ مٹھی بھر حصّہ کی نچلی حد حدِّ قطع بھی ثابت ہو جاتی ہے، بس اسی قابل تحفظ حصّہ کو شرعی اصطلاح میں "مقدارِ قبضہ" کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ مٹھی بھر ہوتا ہے اور مٹھی کو عربی میں قبضہ ہی کہتے ہیں۔ قبضہ کی اس مقدار کو اگر ہم معقول اور فطری کہیں تو بے جا نہ ہوگا کیوں کہ قبضہ کی مقدار مذکورہ بالا مقدمات یعنی داڑھی کی حد بندی پھر حد بندی کی حدود کا حد قطع ہونا، پھر اوسے انگلیوں کے بجائے قبضہ (بھرپور مٹھی) سے متعین کیا جانا، پھر داڑھی کی درازی کا تحفظ وغیرہ کا نتیجہ ہے اور یہ سب مقدمات فطری ہیں جس کی طرف طبع سلیم اور فطرت مستقیم خود رہنمائی کرتی ہے تو اون سے بر آمد شدہ یہ نتیجہ بھی فطری ہی کہا جائے گا، لہذا داڑھی کی اس مقدار کا فطری ہونا واضح ہو گیا۔

رہا یہ کہ یہ داڑھی کی قطع و برید کا یہ عمل اور اوس کی مقدار قبضہ سے یہ حد بندی آیا شرعی بھی ہے یا نہیں؟ سو ظاہر ہے کہ جب فطرت انسانی فطرت اللہ ہی سے بنی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ جسے انسانیت عامہ مل کر فطری کہے وہ شرعاً غیر فطری ہو؟ بلکہ فطرت انسانی میں ایسی رہنمائی پیدا ہی فطرت اللہ سے ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ داڑھی سے متعلق یہ تمام معاملات شرعی بھی ہوں۔

چنانچہ جہاں تک قرآنی تصریحات کا تعلق ہے، انبیاءِ سابقین کی داڑھی یکمشت سے کم ثابت نہیں ہوتی۔

بنی اسرائیل کی گئوسالہ پرستی پر جو موسیٰ علیہ السلام کی غیبت اور ہارون علیہ السلام کے ایامِ خلافت میں پیش آئی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام پر غصہ آیا اور جوشِ جلال میں سرزنش کرتے ہوئے اونکی داڑھی پکڑلی، تو انہوں نے عرض کیا:۔

یَا ابْنَ اُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي "میرے ماں جائے بھائی!
وَلَا بِرَاْسِي ۔ میری داڑھی اور سر تو نہ پکڑئیے الخ

ظاہر ہے کہ داڑھی کی یہ پکڑ اور گرفت جو ہاتھ اور مٹھی ہی سے ہوسکتی ہے محض چند انگلیوں سے نہیں ہوسکتی اوس وقت تک صحیح نہیں ٹھیر سکتی جب تک کہ اون کی داڑھی کی مقدار کو کم از کم ایک قبضہ نہ مانا جائے، اگر مٹھی بھر سے کم ہوتی تو وہ پکڑ ہی میں نہیں آسکتی تھی جس کے لئے اَخذِ لحیہ کا لفظ استعمال کیا جاتا۔ اِس نص قطعی سے ایک سابق پیغمبر کی داڑھی سے مقدارِ قبضہ کا ثبوت مل جاتا ہے، اور جبکہ تمام انبیاء علیہم السلام سننِ فطرۃ میں ایک دوسرے کا اقتداء فرماتے رہے جیسا کہ آیاتِ قرآنی اور بالخصوص آیۂ کریمہ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ۔ "اے پیغمبر ان انبیاء سابقین کی اقتدا کرو" کے عمومی اُصول سے واضح ہے، اِس لئے دل اور عقل دونوں اسے قبول کیتے ہیں کہ کسی بھی پیغمبر کی داڑھی مقدارِ قبضہ سے کم نہ ہو، پس جیسا کہ داڑھی بڑھانا سارے پیغمبروں کی متفقہ سنت اور فطرت تھی ایسے ہی اس نصِ قرآنی سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم مقدارِ قبضہ بھی ہر پیغمبر کی سنت ہو۔ تاہم اگر صرف ہارون علیہ السلام ہی کی حد تک مقدارِ قبضہ ثابت مانا جائے جیسا کہ الفاظ قرآنی اس بارے میں واضح ہیں تب بھی اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اسلام سے پہلے دائرۂ نبوت میں داڑھی کی مقدار کم سے کم قبضہ و مٹھی بھر، تھی جس سے مقدارِ قبضہ کا انبیائے سابقین کی سنت سے ثبوت ملجاتا ہے۔ پھر فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ کے تقاضے کے مطابق جبکہ آپ سابقین کی سنتوں کا اقتداء فرماتے تھے اور اوس کے لئے مامور بھی تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لحیۂ مبارک کی مقدار قبضہ سے کم ہو جو اس اقتداء کا تقاضا ہے، پس اسی آیت سے حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کی مقدار کا بھی کم سے کم مقدار قبضہ ہونا ضرور مفہوم ہوتا ہے۔

بہرحال جہاں تک قرآنی عبارت و دلالت کا تعلق ہے داڑھی کے ساتھ ساتھ اوس کی ایسی مقدار ضرور ثابت ہوجاتی ہے جو مُٹھی میں آسکے اور اسی مقدار کا نام مقدار قبضہ ہے۔

پھر داڑھی کی حدبندی کے سلسلہ میں اگر اس مقدار قبضہ کو ایک مقدارِ خاص کی حیثیت دی جائے جس سے زائد کا رکھا جانا ضروری نہو تو اوس کے لئے طول و عرض میں قطع و برید کا ثبوت بھی شرعی نصوص میں موجود ہے۔ چنانچہ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:۔

ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یاخذ من لحیتہ من طولہا و عرضہا (ترمذی)
"بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی میں سے طول اور عرض دونوں میں سے کچھ حصہ تراش دیتے تھے"

تراشنے کے بعد کتنا حصہ باقی رہتا تھا؟ آیا وہ ٹھوڑی، اور رخساروں سے لگی لگی رہجاتی تھی جسے خشخشی کہتے ہیں یا لٹکی ہوئی رہتی تھی جس میں استرسال اور اعفاء محفوظ رہتا ہو؟ سویزید فارسی نے جو تابعی ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں، خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اون سے ذکر کیا، اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ شیطان کو میری صورت میں آنے کی قدرت نہیں دی گئی، اِس لئے جس نے بھی مجھے خواب میں دیکھا، اوس نے مجھے ہی دیکھا، اور یہ کہہ کر یزید فارسی سے فرمایا کہ ہاں کیا تم اوس شخصیت کا حلیہ بیان کرسکتے ہو جسے تم نے خواب میں دیکھا؟ اونہوں نے عرض کیا، جی ہاں!! اور اوس شخصیت پاک کی صفت اور حلیہ بیان کرنا شروع کیا، جس میں ایک صفت یہ بھی بیان کی کہ:۔

قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُہٗ مَابَیْنَ هٰذِہٖ وَهٰذِہٖ اِلٰی هٰذِہٖ۔ (شمائل ترمذی)

"(میں نے دیکھا) کہ اُن کی داڑھی نے بھر رکھا تھا دائیں جانب اور بائیں جانب کو"

یعنی رخساروں کی دونوں جانبوں کو داڑھی نے ڈھانپ رکھا تھا (یہ داڑھی کے عرض کا بیان ہوا) اور بھر رکھا تھا اس (سامنے کی) جانب کو (یعنی ٹھوڑی کی جانب کو بھی ڈھانپ رکھا تھا اور یہ سمت بھی داڑھی سے بھرپور تھی' یہ داڑھی کے طول کا بیان ہوا) ظاہر ہے کہ ملأن اور بھرپور اور وہ بھی ہر جہتی بھرپوری یعنی اِدھر اُدھر کی قید کے ساتھ بھرپوری کا لفظ خشخشی یا کتری ہوئی داڑھی کے لئے نہیں بولا جا سکتا جب تک کہ داڑھی نے کانوں کی لَو سے لے کر گردن کے سامنے کے سارے حصے کو پوری طرح ڈھانپ نہ رکھا ہو۔ اسی کو عرف عام میں بھرا ہوا خط کہتے ہیں' پھر اس بھراؤ اور بھرپوری کے ساتھ کوئی وجہ نہیں کہ استرسال اور اعفاء (داڑھی کے بالوں کا لٹکتا ہوا ہونا) کی صفت کو شامل نہ کیا جائے' جس کو احادیث قولیہ نے واجب ٹھیرایا ہے اور جس سے یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات بابرکات کو کسی نص کے ذریعہ مستثنےٰ نہیں فرمایا یعنی آپ کے حق میں بھی یہ واجب تھا' تو اس مجموعہ سے ریش مبارک کی وہ مقدار بھی نکل آتی ہے جو ٹھوڑی کے نیچے مٹھی میں آسکے ورنہ ملأن اور استرسال کا مجموعہ نہیں بنتا' اور اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

لو رأیتہٗ فی الیقظۃ ما استطعت ان تنعتہٗ فوق هٰذا۔ (شمائل ترمذی)

"(لے یزید) اگر تو اس صورت مبارکہ کو جاگنے کی حالت میں دیکھتا تو اس سے زیادہ حلیۂ پاک کا نقشہ نہیں کھینچ سکتا تھا"

(جو تو نے خواب میں دیکھا ہے یعنی ہوبہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک یہی تھی جو تو نے بیان کی)۔

اِس توثیق کے بعد حضورؐ کی ریش مبارک کی یہ مقدار محض ایک تابعی کا خواب نہیں رہ جاتی بلکہ صحابی کا اثر ثابت ہو کر حکم میں مرفوع حدیث کے ہو جاتی ہے' کیوں کہ حضورؐ کے قول کو تو قال کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے جس سے روایت کی انتہاء آپ کے کلام پر ہوتی ہے لیکن آپ کے فعل کے بیان کی انتہاء تو بہر حال صحابی ہی کے قول پر ہو سکتی ہے۔ اِس لئے کسی فعلی حدیث کے مرفوع ہونے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ گو قول تو صحابی کا ہو مگر روایت کی انتہاء آپ کے فعل پر ہو جو رفع کی شان ہے' اِس لئے اس سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی کہ حدیث نبویؐ سے آپ کی ریش مبارک کے کم از کم مقدار قبضہ ہونے کا ثبوت ہو گیا؛ اور اگر عمرو بن شعیب کی اس حدیث کو صاحب تنویر شارح شرعۃ الاسلام کی نقل سے لیا جائے (جن کے معتبر ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ صاحب مرقاۃ ملا علی قاری وغیرہ انکے اقوال سے فقہیات اور روایات حدیث کے بارہ میں استناد کرتے ہیں) تو مقدار قبضہ خود حدیث مرفوع ہی سے صراحۃً ثابت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اون کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن عمرو بن شعیب انہٗ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاخذ من لحیتہٖ طولاً وعرضاً علی قدر القبضۃ۔ (شرح شرعۃ الاسلام ص۲۹۸)

"عمرو بن شعیب فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی طول و عرض میں سے تراشتے تھے مقدار قبضہ کے اوپر یعنی مقدار قبضہ باقی رکھتے تھے اوس سے زائد حصہ جو اُس پر بڑھ جاتا تھا تراش دیتے تھے تو مقدار قبضہ باقی رہجاتی تھی"۔

بہر حال ایک آیت اور دو روایتوں سے نصاً و استنباطاً مقدار قبضہ کا فعل نبوی ہونا ثابت ہو گیا۔ اس فعل کی مزید تائید فعل صحابہ سے ہوتی ہے جس کے ضمن میں مقدار قبضہ کا سنت صحابہ ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے جو بجائے خود' خود بھی ایک مستقل دلیل ثبوت ہے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی سنتوں کی تشخیص سب سے زیادہ حضرات صحابہ ہی کے عمل سے ہو سکتی ہے جیسا کہ خود اون ہی کے اقوال پر ان سنتوں کا

ثبوت بھی موقوف ہے اور وہی اون کے ہم تک پہنچانے کے اصل مدار ہیں۔ ان صحابہ میں خصوصیت سے سب سے زیادہ سنن نبوی کے گرویدہ اور فنائی الاتباع حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی غالب شان ہی اتباع سنت ہے، سو کتاب الآثار میں امام محمد بن حسن شیبانی امام ابو حنیفہؒ سے اور ہیثم ابن ہیثم سے اور وہ عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

انہ کان یقبض علی لحیتہ ثم یقص ما تحت القبضۃ۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی نحوہ)

"عبداللہ ابن عمر اپنی داڑھی کی مٹھی بھر لیتے تھے اور پھر اس مٹھی میں آئے ہوئے حصہ سے نچلا حصہ کاٹ دیتے تھے" (اسی کے ہم معنی ابوداؤد و نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

ظاہر ہے کہ اول تو ابن عمرؓ جیسے فانی فی الاتباع اور گرویدہ اتباع سنت سے یہ بعید ہے کہ وہ اس مقدار کے بارے میں اتباع سنت سے کام نہ لیتے ہوں، پھر جبکہ داڑھی رکھنے کی حدیث یعنی احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ "مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ" کے راوی خود عبداللہ ابن عمرؓ ہی ہیں تو اس سے صرف یہی واضح نہیں ہوتا کہ اُن کے نزدیک اس قطع و برید کی حد مقدار قبضہ تھی اور داڑھی کی اس مقدار کا اون کے نزدیک باقی رکھنا ضروری تھا۔ بلکہ غور کیا جائے تو اون کا یہ فعل حدیث رفع کا بیان ہی ثابت ہوتا ہے کیوں کہ جب کوئی راوی پیغمبر کے کسی فعل کو علی الاطلاق روایت کرے جس میں کوئی قید مذکور نہ ہو اور پھر اوس کے اتباع میں جب خود عمل کرے تو قید اور حد کی رعایت کرے تو یہ اسی کی دلیل ہو سکتی ہے کہ اوس کے نزدیک پیغمبر کے فعل میں ہی یہ حد ملحوظ تھی۔

بہرحال عبداللہ ابن عمرؓ کے اس فعل سے کہ وہ مقدار قبضہ سے زائد داڑھی کٹوا دیتے تھے مقدار قبضہ کا اُن کی سنت ہونا تو صراحتاً اور حضورؐ کی سنت ہونا دلالتاً ثابت ہوگیا۔ اور غیر مشتبہ طور پر واضح ہوگیا کہ وہ داڑھی بڑھانے میں مخترع نہیں تھے بلکہ اس مقدار قبضہ کے بارہ میں بھی حضورؐ ہی کے متبع تھے، یہ مقدار خود اون کی اختراع نہیں تھی۔ اگر حضور کو اس عمل پر نہ دیکھتے تو اسے اپنی سنت نہ ٹھیراتے، ورنہ کم از کم اس حدیث کی رُو سے اوس کے سنت صحابی ہونے میں تو شک ہی نہیں، پھر یہی سنت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھی ثابت ہوتی ہے جس کو ابن عمرؓ کی سنت کے بعد سند کے ساتھ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں نقل کیا ہے:۔

وقد روی عن ابی ھریرۃ ایضاً انہ کان یقبض علی لحیتہ فیأخذ ما فضل عن القبضۃ۔

"حضرت ابوہریرہؓ سے بھی روایت ہے کہ وہ اپنی داڑھی کو خود مٹھی پکڑتے اور جو حصہ قبضہ سے زائد ہوتا اُسے کاٹ دیتے۔"

(حاشیہ ترمذی ص)

یہاں بھی وہی ابن عمرؓ کی سی صورت حال ہے کہ خود یہی ابوہریرہ حدیث فطرت کے بھی راوی ہیں جس میں داڑھی بڑھانا منقول ہے، اس صورت میں اُن کا عمل بھی قبضہ پر ہونا اسی کی دلیل ہے کہ حدیث فطرت میں جو داڑھی بڑھانا ضروری قرار دیا گیا تھا اور قبضہ کی قید مذکور نہ تھی، جب اوس مطلق روایت کے راوی خود اپنے عمل قطع و برید میں مقدار قبضہ کی حدود میں رہتے تھے تو یہ اسی کی دلیل ہو سکتی ہے کہ یہ قید اوس حدیث میں بھی ضرور ملحوظ تھی ورنہ وہ اس عمل کو اپنی سنت و عادت نہ ٹھیراتے، گویا مقدار قبضہ کا یہ عمل اون کے نزدیک فعل نبویؐ ہی تھا جس کی وہ اقتداء فرماتے تھے۔ پس اس سے اس مقدار کا سنت نبویؐ اور سنت صحابی دونوں ہونا ثابت ہوگیا، اور قبضہ کے بارے میں صحابی کا یہ عمل گویا حدیث نبوی کا بیان ہوگیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عمل میں ابن عمرؓ متفرد نہیں تھے بلکہ دوسرے بھی اون کے ساتھ شامل تھے، جس سے دور صحابہؓ میں اس سنت کے عام معمول اور مروج ہونے کا کھلا ثبوت ملتا ہے

جو خود اس کی ہی ایک مستقل دلیل ہے کہ ان مقدسین کے اس عام عمل کا ماخذ سنت نبوی تھی، ورنہ بے دھڑک یہ سنت اتنی رائج نہ ہوتی، اور سنت نبوی ہونے کا ثبوت کتاب و سنت سے پیش کیا جا چکا ہے۔ لیکن اگر اس سنت کو صرف سنت صحابہ ہی مان لیا جائے اور اوسے حدیث نبوی کا بیان نہ ٹھیرایا جائے تب بھی اوس کے واجب الاطاعت ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ سنن صحابہ کی اقتداء کا حکم خود حدیث نبویؐ میں دیا گیا ہے اور بایں لحاظ اون کی اقتداء بالواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہوگی۔ ورنہ آپ اون کی اقتداء کا حکم دے کر معاذ اللہ اپنی سنت و شریعت کے متوازی کوئی دوسری شریعت قائم نہیں فرما رہے تھے، پس سنن صحابہ درحقیقت سنن نبویؐ ہی ہیں جن کا ظہور مظاہر صحابیت میں ہو رہا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

"میرے صحابہ ستارہ کی مانند ہیں اُن میں سے جسکی بھی پیروی کروگے ہدایت یافتہ ہوگے۔"

❊　❊　❊

بہرحال مقدار قبضہ کا مسئلہ سنت نبویؐ سے ثابت ہو یا سنت صحابہ سے، ہمارے لئے بہر دو صورت حجت ہے، اور دونوں ہی سُنتیں واجب الاتباع ہیں۔ پس داڑھی کی جو مقدار انبیائے سابقین سے ثابت ہوئی وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہوئی، اور وہی سنت صحابہ سے بھی نمایاں ہوئی۔ اس مقدار سے کم نہ ہونا ثابت نہیں ہوئے یہ سب اُمور اُس کے ایک ثابت شدہ ثبوت کے پختہ دلائل ہیں، آگے اُمت کا تعامل دیکھا جائے تو وہ مقدار قبضہ کی پیروی میں اتنی عمومیت کے ساتھ ہے کہ اگر اوس پر اجماع اُمت کا لفظ اطلاق کر دیا جائے تب بے محل نہیں ہوگا۔

چنانچہ شیخ ابن ہمام نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ:۔

واما الاخذ منھا وھی دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احدٌ۔

"لیکن داڑھی کا کٹانا جبکہ وہ مقدار قبضہ سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی لوگ اور مخنث قسم کے انسان یہ حرکت کرتے ہیں تو اسے کسی نے بھی مباح قرار نہیں دیا"

❊　❊　❊

یعنی تمام فقہائے اُمت اس پر متفق ہیں کہ داڑھی کا مقدار قبضہ سے کم کرنا جائز نہیں، اور یہ اجماع خود ایک مستقل وجوب کی دلیل ہے۔ چنانچہ جن کے کلام سے مقدار قبضہ کا مسنون ہونا معلوم ہوتا ہے اور وجوب پر روشنی نہیں پڑتی اوسکی توجیہ ثابت بالسنتہ سے کی گئی ہے تاکہ مقدار قبضہ کے وجوب پر کوئی اثر نہ پڑے۔ پھر صاحب درمختار نے بھی مقدار قبضہ کے بارے میں تقریباً وہی تعبیر اختیار کی ہے جو شیخ ابن ہمام کی تھی، جس سے یہ مقدار عامۂ سلف و خلف کی مسلمہ عمومی اور اجماعی مقدار ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

الحاصل ان عامۃ الکتب علیٰ ان القدر المسنون ھو القبضۃ ولا باس بترکھا ما فوقھا۔ ولکن الاخذ (بما زاد علی القبضۃ) اولیٰ وکذا اجابنی بعض علماء مکۃ حین سألتہ عن ھذہ المسئلۃ۔

❊ (درمختار) ❊

"حاصل یہ ہے کہ عامہ کتب اس پر شاہد ہیں کہ قدر مسنون وہی مقدار قُبضہ ہے، اور اگر اس سے زیادہ بھی چھوڑ دی جائے، تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن قبضہ سے جو حصہ زیادہ ہو اُس کا کاٹ دینا ہی اولیٰ اور بہتر ہے، مکہ کے بعض علماء سے میں نے اس بارہ میں دریافت کیا، اُنہوں نے بھی یہی جواب دیا۔"

(باقی آئندہ)

پانچویں اور آخری قسط :-

داڑھی کی شرعی حیثیت

(حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ)

پس جبکہ قدر مسنون کے معنی قدر ثابت بالسنۃ کے لئے گئے ہیں (اور اس لئے لئے گئے ہیں کہ مقدار قبضہ کا وجوب حضورؐ کی قولی اور فعلی حدیثوں کے ملانے سے ثابت شدہ ہے کیوں کہ قولی حدیثوں میں اون ہی اُمور کو بصیغۂ امر واجب ٹھیرایا گیا جن کو فعلی حدیثوں میں کر کے دکھایا گیا ہے گویا فعلی حدیثیں اون قولیات ہی کی عملی تفسیریں ہیں) تو در مختار کی اس عبارت سے جہاں مقدار قبضہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے وہیں اُس پر عامۂ کتب کا اجماع بھی ثابت ہوتا ہے۔

بہرحال کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، سنت انبیاء سابقین، سنت صحابہ اور سنت فقہاء سے داڑھی میں مقدار قبضہ کا ثبوت مستند طریقے پر ملجاتا ہے۔ اور یہ کہ داڑھی کا اس مقدار سے کم کرنا اُمت میں کسی نے بھی مباح و حلال قرار نہیں دیا۔

ان شرعی تصریحات کے بعد ممکن ہے کہ یہ سوال ذہنوں میں کھٹکے، کہ ان تمام روایات و آیات سے مقدار قبضہ کا وجود تو ثابت ہوجاتا ہے مگر وجوب ثابت نہیں ہوتا جس کی پابندی ضروری اور لازمی ہے۔ گویا ہم اس مقدار کو مشروع تو مان لیں گے جبکہ وہ سنت سے ثابت ہے مگر ثبوت کی حد تک نہ کہ وجوب کے حکم کے ساتھ کیونکہ ہر ثابت بالسنۃ کا واجب ہونا ضروری نہیں۔ آخر سنن و مستحبات بھی تو کتاب و سنت ہی سے ثابت ہوتے ہیں

پس ہم اس مقدار قبضہ کو زیادہ سے زیادہ مسنون مان لینگے واجب تسلیم نہیں کریں گے۔ اور اگر علماء کی رعایت سے اوسے واجب کہنے تک بھی ہم اُتر آئیں تو صرف استنباط کی حد تک جو علماء کا ایک فعل ہے اور ان آیات و روایات سے اخذ کردہ ایک حکم ہے نہ کہ نصوص شرعیہ کے ایجاب کی حد تک۔ تو یہ ایک فنی وجوب ہوگا حقیقی نہ ہوگا جس کا صریحی امر کتاب و سنت کی کسی نص میں موجود نہیں۔

اس سے انکار نہیں کہ شیخ ابن ہمام نے یہ ضرور کہا کہ "فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ" (مقدار قبضہ سے کم داڑھی رکھنا، کسی نے بھی مباح و حلال قرار نہیں دیا") جو وجوب کا ایک عنوان ہے، یا در مختار وغیرہ میں مقدار قبضہ کے سنت ہونے کے قول کی تاویل ثابت بالسنۃ سے کیا جانا، جو اشارہ ہے اوس کے وجوب کی طرف وغیرہ وغیرہ علماء سے ضرور منقول ہے مگر وہ علماء کی رائے اور اون کے استنباطات ہیں جو مقدار قبضہ کے کسی صریحی امر کی بناء پر نہیں، بلکہ عملی روایات کی بناء پر ہیں۔ ورنہ مقدار قبضہ کے واجب ہونے کی نہ کتاب و سنت میں کہیں تصریح ہے نہ اس کا کوئی امر صریح ہے کہ ہم اوسے واجب ماننے پر مجبور ہوں اور اوس کے ترک پر اپنے کو گنہگار سمجھنے لگیں۔ بنابریں ہم علماء کے ان استنباطات کا احترام کرتے ہوئے مقدار قبضہ کو مستحسن ضرور سمجھیں گے۔ لیکن واجب تسلیم نہیں کریں گے۔ یہ حاصل ہے اون شکوک و

وشبہات کا جو مقدار قبضہ کے وجوب کے بارے میں کئے جاتے ہیں۔

جواباً گزارش ہے کہ احقر کے نزدیک مقدار قبضہ کے بارہ میں وجوب کا یہ سوال ہی مہمل اور لایعنی ہے، مقدار قبضہ کی یہ روایات داڑھی میں اس مقدار کو واجب بتلانے کے لئے آئی ہی کب ہیں کہ اون میں اس مقدار کے وجوب کو تلاش کیا جائے۔ بلکہ وہ تو داڑھی میں سے وجوب کو ساقط کرنے کے لئے آئی ہیں۔ کیونکہ داڑھی بڑھانے کا وجوب جس میں پوری داڑھی کے ضمن میں، مقدار قبضہ بھی داخل ہے، احادیث خمسہ سے ثابت شدہ ہے جن میں اعفوا اللحیٰ وغیرہ کے صیغوں سے داڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس میں اول قبضہ آتا ہے اور پھر اس سے زائد حصہ جہاں تک بھی داڑھی بڑھتی جائے۔ پس جبکہ مقدار قبضہ کا وجوب مع شئی زائد ان احادیث اعفاء وارخاء وغیرہ سے ثابت شدہ ہے تو ان قبضہ والی روایات میں اوس کا وجوب تلاش کرنا تحصیل حاصل نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ یہ مقدار قبضہ کی روایتیں محض قبضہ کی مقدار کو متعین اور مشخص کرنے کے لئے آئی ہیں اوس کا وجوب بتلانے کے لئے نہیں آئیں کہ وہ دوسری روایات سے ثابت شدہ ہے۔

ہاں اگر غور کیا جائے تو یہ روایات قبضہ داڑھی کی کسی مقدار میں وجوب ثابت کرنے کے بجائے اوس میں سے ایک حد تک وجوب کو اوٹھانے اور ساقط کر دینے کے لئے آئی ہیں۔ کیوں کہ اعفوا اللحیٰ سے مطلقاً داڑھی بڑھانا واجب ثابت ہوا تھا جس میں کسی معین مقدار کی قید نہ تھی اور نہ اس وجوب سے اوس کا کوئی حصہ مستثنیٰ تھا۔ مقدار قبضہ کی روایات نے بتلایا کہ زائد از قبضہ داڑھی میں سے کاٹ دینا جائز ہے تو اس کے معنی اسکے سواء اور کیا ہوئے کہ زائد از قبضہ کا بڑھانا واجب نہیں رہا، اور وہ جو اعفوا اللحیٰ کے امر سے داڑھی بڑھانے کا وجوب اوس کے سارے حصوں پر چھایا ہوا تھا زائد از قبضہ سے اوٹھ گیا یعنی مقدار قبضہ کو باقی رکھکر (جو پہلے سے واجب تھی) باقی ماندہ حصہ بڑھانے کے وجوب سے مستثنیٰ ہو گیا۔ اور اس حد تک کہ اس حصہ کو کٹوا کر آدمی سنت نبویؐ اور سنت صحابہؓ کا پیرو بنکر مستحق اجر و ثواب بھی ہو گیا۔ پس مقدار قبضہ کی روایتوں نے قبضہ سے زائد حصہ کا وجوب رفع کیا ہے نہ کہ مقدار قبضہ میں وجوب پیدا کیا ہے کہ یہ وجوب تو مقدار قبضہ اور اوس سے زائد حصہ میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ اس لئے مقدار قبضہ کی روایات میں اس مقدار کا وجوب تلاش کرنا یا تحصیل حاصل ہے یا ضرورت سے زیادہ ناواقفی کی دلیل ہے۔

رہا حضرات فقہاء کا مقدار قبضہ کو بیان کرتے ہوئے اوسے واجب فرمانا اور داڑھی اوس سے کم کرنے کو مباح اور حلال نہ سمجھنا جو مقدار قبضہ کے وجوب کی دلیل ہے۔ وجوب کا بیان نہیں ہے جو ان روایت قبضہ سے ثابت کیا جا رہا ہو۔ بلکہ اوسی وجوب کا اعلان ہے جو احادیث خمسہ سے مقدار قبضہ اور اوس سے زائد کے لئے ثابت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان روایات قبضہ سے مقدار قبضہ میں وجوب رہ گیا ہے اوٹھا نہیں ہے صرف اوس سے زائد حصہ سے اوٹھا ہے۔ پس یہ بقاء وجوب کا بیان ہے حدوث وجوب کا بیان نہیں۔

اندریں صورت جو لوگ مقدار قبضہ کے وجوب کے دلائل کسی مستقل امر اور صریح عبارت سے مانگتے ہیں، وہ بظاہر دنیا کو یہ مغالطہ دینا چاہتے ہیں کہ داڑھی کی مقدار خاص انہی روایات قبضہ میں بیان کی گئی ہے اور وہ کسی امر صریح کے ساتھ وارد نہیں ہوئی صرف ایک فعل بیان کیا گیا ہے جس سے وجوب مقدار ثابت نہیں ہوتا تو

ہم داڑھی میں کسی مقدار کے پابند نہیں ہیں خواہ کم رکھیں یا زیادہ۔ لیکن اس مغالطہ کی قلعی اس سے کھل جاتی ہے کہ ان روایات قبضہ کا یہ موضوع ہی کب ہے کہ وہ کسی مقدار کا وجوب بتلائیں وہ تو اس مقدار سے زائد کا وجوب ساقط کرنے کے لئے آئی ہیں نہ کہ اس مقدار کا وجوب بتلانے کے لئے، درحالیکہ اس مقدار کا مع اس سے زائد حصّہ کے وجوب احادیث خمسہ سے ثابت ہو چکا ہے

یہ دوسری بات ہے کہ ان روایات سے خود بخود اس مقدار (قبضہ) کا وجوب نکل آئے، کیوں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مقدار قبضہ قائم رکھنا دوامی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حدیث کے متن کان یاخذ من لحیتہ من طولہا وعرضہا میں لفظ کان اسی استمرار و دوام کی طرف مُشیر ہے۔ پھر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں اس قسم کے الفاظ منقول ہیں جو استمرار و دوام پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر تعامل سلف و خلف بھی یہی ہے جو اہل علم و فضل، اور اہل وصول و قبول ہیں، تو ظاہر ہے کہ پیغمبر کا کوئی دوامی عمل جس پر مواظبت بلا ترک کی ہو، وجوب کی علامت اور دلیل ہے۔ اور تعامل سلف خود ایک مستقل حجت ہے پھر جب یہ سب حجتیں ایک چیز میں جمع ہو جائیں تو وجوب کی قوت کہیں سے کہیں پہونچ جاتی ہے۔ تو اس حدیث سے مقدار قبضہ کا وجوب بھی نکل آتا ہے۔ گویا مقدار قبضہ کا ایک وجوب تو احادیث خمسہ سے ثابت ہوا جن میں داڑھی کی تطویل بلا تحدید کے واجب قرار دی گئی ہے جس میں مقدار قبضہ بھی داخل ہے اور دوسرا وجوب مقدار قبضہ کے دوام و استمرار سے ثابت ہوا۔ مگر پہلے وجوب کے بارہ میں تو احادیث خمسہ نص ہیں کیوں کہ وہ بیان ہی کی گئی ہیں اثبات وجوب کے لئے اور دوسرے وجوب کے بارہ میں احادیث قبضہ نص نہیں کہ اس وجوب کے اظہار کے لئے ہی لائی گئی ہوں بلکہ نص ہیں رفع وجوب کے لئے جو زائد از قبضہ سے وجوب اُٹھانے کے لئے لائی گئی ہیں۔ یوں التزاماً مقدار قبضہ کا وجوب بھی اوس سے برآمد ہو جاتا ہے۔ غرض مقدار قبضہ کا وجوب مطابقتاً والتزاماً دونوں طرح دو قسم کی روایتوں سے ثابت ہو گیا۔

پس یہ سوال غلط ہے کہ مقدار قبضہ کے واجب ہونے کی کیا دلیل ہے؟ سوال بروئے روایات حدیث یہ ہونا چاہئے کہ داڑھی بڑھانے کے وجوب سے آیا داڑھی کا کوئی حصہ مستثنیٰ بھی ہے یا نہیں؟ یا علی الاطلاق داڑھی بڑھاتے جانا ہی واجب ہے۔ اِسی دوسرے سوال کا جواب یہ روایات قبضہ ہیں کہ زائد از قبضہ حصّہ بڑھانے کے وجوب سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اسے کاٹا جا سکتا ہے۔

پھر بھی اگر کوئی اس مقدار قبضہ کو واجب نہ مانتے ہوئے (جس کا وجوب سابقہ روایات سے ثابت شدہ ہے) محض اِس لئے تسلیم نہ کرے کہ اُس کا صریح امر بقید مقدار کہیں وارد نہیں ہوا جو اوس کے وجوب پر دلالت کرے، اور یہ روایات قبضہ محض فعلی سنتیں ہیں جن سے وجوب پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، تو نہ تسلیم کرے۔ اِس سے داڑھی بڑھانے کے وجوب مطلق میں تو کوئی فرق پڑ نہیں سکتا کہ وہ تو دوسری روایات سے ثابت شدہ ہے البتہ خود اس منکر ہی کے حق میں اوس کی مرضی کے خلاف ایک غم و غصّہ کی صورت ضرور پیدا ہو جائے گی۔ اور وہ یہ کہ مقدار قبضہ کے انکار کا مفاد اوس کے حق میں یہ نہیں نکلیگا کہ وہ داڑھی کی مقدار میں آزاد ہو جائے کہ جتنی چاہے رکھ لے اور جتنی چاہے قلم کرے یا سرے سے رکھنے نہ رکھنے میں مختار ہو جائے۔ کیوں کہ جب اوس کے نزدیک صرف قولی احادیث ہی اس باب میں حجت ہیں فعلی نہیں تو قولی حدیثیں جو پانچ صیغوں کے ساتھ ابتداء میں ہم نے پیش کیں ہیں اُن میں بلا کسی حد بندی کے داڑھی بڑھانے کا امر ہے، اس صورت میں قبضہ کے منکر کو اپنی داڑھی ناف تک لیجانی پڑیگی

اور طول وعرض میں وہ کتنی بھی بڑھے اور پھیلے اوسے بحال خود چھوڑ دینا پڑے گا۔ اب خواہ وہ تمسخر کی آماجگاہ بنے، جیساکہ طبری کا قول ہے یا احمق اور بے عقل ثابت ہو جیساکہ امام غزالیؒ کا قول ہے:۔

کلما طال اللحیة نقص العقل

پس روایات قبضہ نے تو داڑھیوں کی زیبائش قائم رکھنے کے لئے اُمت پر احسان کیا تھا کہ ایک حد اعتدال تجویز کردی تھی تاکہ آدمی نہ طویل اللحیہ بنکر بے عقل، اور بھکڑوں کے تمسخر کی آماجگاہ بنے نہ قصیر اللحیہ بنکر، عورتوں اور مخنثوں کے مشابہ ہو۔ اور اس طرح اوس کا فطری حسن ہئیت اور چہرہ کا وقار و تمکنت قائم رہے۔ لیکن جب ناقدرے لوگ اس تحسین ہئیت کی فطری حدبندی کو مانتے ہی نہیں تو انہیں رائے کی آزادی کے بجائے داڑھی کی آزادی صلہ میں ملے گی کہ وہ اُن کی رائے کے خلاف جدھر بھی جائیگی انہیں اوس کے روکنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ خواہ وہ اطول اللحیہ ہو کر احمق ثابت ہوں یا اقصر اللحیہ ہو کر مخنث کہلائے جائیں پس مقدار قبضہ کی روایات کے انکار کے بعد احادیث تولیہ اپنے اطلاق کے ساتھ اوس کے سر آپڑیں گی جن میں قبضہ چھوڑ ناف بھی حدِ قطع ثابت نہ ہوگی۔ پھر اس سے تو بہتر یہی ہے کہ قبضہ ہی کی مقدار کو تسلیم کرلیا جائے۔ تاکہ یہ دونوں بدزیبیاں سر نہ پڑیں اور ادھر اس درمیانی صورت سے عدل و اعتدال حدود کا رشتہ ہی ہاتھ سے نہ جائے۔ بالخصوص جبکہ یہ مقدار سنت انبیاء، سنت خاتم الانبیاء، سنت صحابہ، سنتِ فقہاء و علماء اور سنت اولیاء و صلحاء بھی ثابت ہو چکی ہے اور وہ بھی ایسی مواظبت کے ساتھ کہ اوس میں کبھی احیاناً بھی ترک واقع نہیں ہوا جو سنیت سے آگے بڑھ کر وجوب عمل کی دلیل ہوتی ہے، تب تو انکار میں سرتاسر خسارہ اور گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ کہ نہ صورت بنتی ہے نہ عاقبت ہی درست ہوتی ہے۔

اس صورت میں اگر مقدار قبضہ محض سنت ہی ثابت ہو، تو داڑھی بڑھانے والوں کے لئے مضر نہیں کہ وہ سنت پر بھی عمل ضروری سمجھتے ہیں مگر داڑھی پست کرانے والوں کے لئے مضر ہے کیوں کہ وہ اس سنت کو چھوڑ کر واجب میں گھر جائیں گے اور اوس میں کسی مقدار کا تعین نہیں تو داڑھی بے حد لمبی کرنی پڑیگی جسے وہ نہ کر سکیں گے۔

بہر حال داڑھی کے ساتھ مقدار قبضہ کا فطرت و سنت اور معقول و منقول ہونا بھی ثابت ہوگیا اور ساتھ ہی اوس کا وجوب ولزوم بھی نمایاں ہوگیا یعنی داڑھی بڑھانا احادیث خمسہ سے ثابت ہوا جس میں مقدار قبضہ بھی شامل ہے اور داڑھی گھٹانا جو اس مقدار سے زائد ہو ان احادیث فعلیہ سے ثابت ہوگیا۔

فللہ الحمد والمنت

تقاضائے عشق و محبت

آخر میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہا جاتا کہ واجب و فرض اور سنت و مستحب کی بحث اپنی جگہ صحیح لیکن یہ سب چیزیں اپنی جگہ استدلالی ہیں، گرویدگان بارگاہ نبوت کے لئے اُن حجتوں کی یہ کاوشیں درکار نہیں۔ اون کے لئے تو صرف اتنی حجت کافی ہے۔ کہ یہ فعل محبوب دو عالمؐ نے انجام دیا ہے اور فلاں فعل سے اجتناب فرمایا ہے۔ اوس فعل و اجتناب کی فقہی نوعیت کچھ ہی ہو، عاشق کا مذہب یہ ہے کہ جو آپ سے ثابت ہے وہ طاعت ہے، اور جس سے احتراز ثابت ہے وہ معصیت ہے۔ استدلالیوں کے لئے یقیناً معصیت یہی ہے کہ اوس سے صراحۃً روکا گیا ہو لیکن عشاق کے نزدیک معصیت یہ ہے جو اون کے عشق پرور دل میں کھٹک پیدا کرے۔ عاقل کے نزدیک اثم و گناہ افعال ہیں لیکن عاشق کے نزدیک جذبات و اخلاق ہیں۔ وہاں گناہگار اوسے کہا گیا ہے جو عمل سوء (برا فعل) کرے:۔

یعملون السوء بجھالۃ۔ "برا کام جہالت سے کرتے ہیں۔"

اور یہاں دل والے کے حق میں گناہ اوسے کہا گیا ہے کہ:۔

الاثم ما حاک فی صدرک "گناہ وہ ہے جو تمہارے سینے میں کھٹک..."

پس استدلالیوں کے یہاں فتویٰ مفتی سے لیا جائیگا لیکن عشاق کے یہاں فتویٰ خود اپنے ضمیر سے طلب کیا جائے گا۔

استفت قلبک وان افتاک المفتون۔ "اپنے دل سے فتویٰ پوچھو، مفتی کچھ بھی فتویٰ دے"۔

وہ قضاءً ہی گنہگار ہوں گے اور یہ دیانتاً عاصی ٹھیریں گے اون کے یہاں توسعات شرعیہ مذہب ہوں گے، اور ان کے یہاں محبوب دوعالم کی زندگی مذہب ہوگی۔

اِس اُصول پر جبکہ داڑھی شعار محبوب ثابت ہوا، اور مقدار بھی اوسی کے ساتھ لگی ہوئی ثابت ہوگئی۔ تو اوس کے ثبوت کا فقہی رتبہ کچھ ہی ہو اور اوس کی صفۃ حکم واجب و فرض کچھ بھی ہو، عاشق کے اتباع و پیروی کے لئے مطلقاً فعل محبوب ثابت ہوجانا ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اگر مفتی اوسے سنت بھی کہے تو عاشق اوسے فرض ہی کہے گا۔

علاوہ ازیں سنت و مستحب اور واجب و فرض کی اصطلاحیں عمل کرانے کے لئے نہیں ہیں بلکہ حکم کا مرتبہ بتلانے کے لئے ہیں جن کا اثر حکم سے انکار یا پہلوتہی کے موقعہ پر ظاہر ہوتا ہے نہ کہ عمل پر آمادگی کے موقعہ پر۔ پس عملی طور پر جب تک مستحبات کو عملی فرض اور عملی واجب نہ سمجھ لیا جائے عملی زندگی کا نقشہ ہی نہیں بن سکتا۔ پس عمل کے لئے عاقل ہونا ضروری نہیں۔ مگر عاشق ہونا ازبس ضروری ہے۔ لیکن دعوائے عشق کے بعد عمل کے میدان میں افعال نبویؐ اور احکام رسالت کے مراتب فعلیت دریافت کرنا قلت محبت کی دلیل ہوگا۔ جو عشاق کے مذہب میں خود ایک معصیت ہے۔

غرض محبت کے دائرہ میں ترک معصیت ضمیر کی آواز سے ہوتا ہے قانون سے نہیں ہوتا۔ کسی چور کو نہیں دیکھا گیا کہ اوس نے تعزیرات ہند کی دفعات ٹٹول ٹٹول کر اور وکلاء سے ممنوعات قانون کے مراتب ممنوعیت کو پوچھ پوچھکر چوری سے توبہ کی ہو۔ بلکہ جب بھی کی ہے ضمیر کی آواز پر ہی کی ہے۔ بنابریں اس ناکارہ کے خیال ناقص میں محبان بارگاہ نبوت اور عشاق باطن کو ان قانونی موشگافیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں داڑھی اور اُس کی مقدار کے لئے محض ثبوت کافی ہی وجوب کی ضرورت نہیں۔ اور جذبات عشق کے بعد ضمیر کی آواز کافی ہے مفتی کے فتویٰ اور واجب و سنت کی تنقیح کی حاجت نہیں۔

بہرحال داڑھی اور اوس کی مقدار واجب (مٹھی بھر) کو ترک کرنا قضاءً بھی معصیت ہے کہ واجب کی خلاف ورزی ہے، دیانتاً بھی معصیت ہے کہ خلاف استحسان ہے۔ ذوقاً اور وجداناً بھی معصیت ہے کہ دعوائے محبت کے منافی اور شئون محبوب کی خلاف ورزی ہے اور فطرۃً بھی معصیت ہے کہ سنۃ بشری کے خلاف اور بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے، اور جبکہ داڑھی رکھنے کا استحسان شرعی طور پر کسی درجہ میں بھی دل میں موجود ہو، اور کون مرد مومن ہے کہ ایسی شرعی تصریحات کے بعد اوس کے دل میں کم از کم داڑھی رکھنے کا استحسان دل میں جاگزیں نہو تو قدرتی طور پر داڑھی نہ رکھنے کا استہجان (یعنی بُرائی) بھی اوس کے دل میں ضرور موجود ہے تو اس صورت میں استدلالاً بھی اوس کے لئے یہ ترک نامناسب ہوگا کہ بہرحال ایک ایسی بُرائی کا ارتکاب ہوگا، جسے دل محسوس کر رہا ہے۔ اور اتنی بات بھی ترک داڑھی کے معصیت ہونے کے لئے کافی ہے جس پر ضمیر گواہ ہوگا:۔

وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر

"اپنے دل کی باتوں کو تم ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ تعالےٰ تم سے اُسکا محاسبہ کریگا۔ پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

(بقیہ بر صفحہ ۱۸)

بقیہ

"داڑھی کی شرعی حیثیت"

جناب کے تحریر فرمودہ استفسارات پر داڑھی کے مسئلہ میں یہ چند باتیں ذہن میں آئیں جنھیں بے تکلف عرض کر دیا گیا۔ کتابیں دیکھنے کا وقت نہیں ملتا کہ مراجعت کتب کے بعد مسئلہ کی پوری تحقیق پیش کرتا، جو خیالات پریشان وقتاً فوقتاً ذہن میں آتے گئے اونہیں ان ایام میں سپرد قلم کر کے یہ طومار پیش کرنے کی جرأت کی گئی۔ جناب سامی سے اُمید عفو و مسامحت ہے، تحریر ذرا طویل ہو گئی مگر کچھ تو میں اپنی قلت استعداد کی بنا پر قلم کے ہاتھ سے لاچار اور کچھ جناب نے والا نامہ میں یہ لکھ کر اس حیلہ جو کو حیلہ کار بنا دیا کہ ارقام مسئلہ بالاجمال ہو یا بالتفصیل، بہرحال مرتب کر دیا جائے، اس لئے قلم جب تک خود ہی ہاتھ سے نہیں چھوٹ گیا چھوڑا نہیں گیا + فان یک صواباً فمن اللہ وان یکن خطاءً فمن نفسی ومن الشیطان، واللہ الملھم للصواب والموفق لما یحب ویرضیٰ۔